

قرآن وحدیث سے اجتہاد کی مشروعیت اور حنفی مذہب
کے متعلق مفید معلومات پر مشتمل مختصر اور جامع رسالہ

اجتہاد

اور

مذہب حنفی کی حقیقت

تالیف

مفتی علی الرحمن فاروقی

فاضل جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید

ناشر

ادارۃ الاسلام والارشاد

جو نامارکیٹ کراچی

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب: اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت

مؤلف: علی الرحمن فاروقی

طبع اول: ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۹۹۹ء

طبع دوم: ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء

کیوزنگ: القاری دارالکتابت۔ (مولانا) ممتاز احمد فاروقی۔

رابطہ نمبر: 0321-2108752

ملنے کے پتے

مکتبہ العلوم بخوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ لدھیانوی بخوری ٹاؤن کراچی
اسلامی کتب خانہ بخوری ٹاؤن کراچی
درخواستی کتب خانہ بخوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ المعارف نزد بخوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ زکریا بخوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ البخاری بہار کالونی کراچی
مکتبہ عمر فاروق۔ نزد جامعہ فاروقیہ کراچی
نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی
مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد کراچی

فہرست مضامین

اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	تقریظ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامری شہید رحمہ اللہ	۹
۲	تقریظ حضرت مولانا مفتی محمد ولی رحمہ اللہ	۱۱
۳	عرض مؤلف (طبع اول)	۱۳
۴	عرض مؤلف (طبع دوم)	۱۵
۵	تمہید	۱۷
۶	پہلی فصل	۱۷
۷	اجتہاد کی تعریف	۱۷
۸	اجتہاد کی ضرورت کہاں ہوتی ہے	۱۸
۹	پہلی آیت	۱۸
۱۰	دوسری آیت	۲۰
۱۱	احادیث نبویہ سے اجتہاد کی اجازت	۲۲
۱۲	پہلی حدیث	۲۲

۱۳	دوسری احادیث	۲۳
۱۴	اجتہاد کی حدیث کے متعلق مولانا وحید الزمان کا تجزیہ	۲۴
۱۵	تیسری حدیث	۲۶
۱۶	چوتھی حدیث	۲۷
۱۷	پانچویں حدیث	۲۸
۱۸	اجتہاد میں صحابہ کرام کا طرز عمل	۲۹
۱۹	خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد	۳۲
۲۰	خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس کی اجازت دینا	۳۳
۲۱	دوسری روایت	۳۴
۲۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بذات خود اجتہاد کرنا	۳۵
۲۳	خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد	۳۶
۲۴	خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد	۳۸
۲۵	حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے مسائل پیش آنے سے پہلے اجتہاد کرتے تھے	۴۰
۲۶	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اجتہاد کرنا	۴۱
۲۷	حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اجتہاد	۴۲

۲۲	رأی واجتہاد کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا موقف	۲۸
۲۳	حضرت عبداللہ بن مسعود کا اجتہاد کا حکم دینا	۲۹
۲۵	مس ذکر کے مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد	۳۰
۲۵	عورت کو اختیار طلاق دینے میں صحابہ کرام کا اجتہاد	۳۱
۲۶	حضرات صحابہ کرام کا اجتہاد کی وجہ سے اکثر مسائل میں اختلاف رہا	۳۲
۲۷	حضرات صحابہ کرام آپس میں اختلاف کے باوجود ہدایت یافتہ تھے	۳۳
۲۸	خلاصہ کلام	۳۴
۲۹	قرن صحابہ میں مجتہدین حضرات	۳۵
۵۲	کیا اجتہاد ہر کوئی کر سکتا ہے؟	۳۶
۵۳	مسائل شرعیہ کو سمجھنے کیلئے محض حدیث دانی کافی نہیں	۳۷
۵۸	اجتہاد کی شرائط	۳۸
۶۰	مسائل میں اختلاف پر اعتراض کرنے والوں کا اشکال اور اس کا جواب	۳۹
۶۶	چاروں اماموں کا مذہب سنت نبوی کے موافق ہے	۴۰
۶۷	صرف ایک امام کی تقلید کی وجہ	۴۱

۷۳	فصل دوم	۴۲
۷۴	امام ابوحنیفہؒ رائے و قیاس کو نص پر مقدم نہیں کرتے تھے	۴۳
۷۶	ایک عجیب انداز میں امام صاحب کا اپنے نفس سے مذکورہ الزام کی نفی کرنا	۴۴
۷۹	امام صاحب پر مذکورہ الزام بے اصل ہے	۴۵
۸۰	مذموم اور ممدوح رائے کا فرق	۴۶
۸۲	امام صاحب کے اجتہادات کے مآخذ	۴۷
۸۴	کیا امام صاحب نے شرعی مسائل اپنی طرف سے بنائے ہیں	۴۸
۸۷	امام صاحب کا حفظ قرآن و حدیث کو مقدم رکھنے کے بارے میں	۴۹
۸۹	امام صاحب کے مسائل حقیقت میں احادیث سے مستنبط ہوتے ہیں	۵۰
۸۹	امام صاحب قیاس پر ضعیف حدیث کو مقدم کرتے تھے	۵۱
۹۰	امام صاحب پر مذکورہ الزام حسد کی بناء پر تھا	۵۲
۹۰	امام عبدالبر مالکی رحمہ اللہ کا اعتراف	۵۳
۹۱	امام اعظم رحمہ اللہ کا اعتراف	۵۴
۹۱	کیا امام صاحب پر جرح مقبول ہے؟	۵۵

۹۵	امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی امام صاحب سے معذرت	۵۶
۹۶	امام صاحب کا اپنے مذہب میں حد درجہ احتیاط	۵۷
۹۹	امام صاحب کا صحابیؓ کے اثر کی وجہ سے اپنی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا	۵۸
۱۰۰	امام صاحب کا مسائل میں بہت غور کرنا	۵۹
۱۰۱	امام صاحب اپنی خواہش سے مسئلے نہیں جتاتے تھے	۶۰
۱۰۲	امام صاحب حدیث کی زیادہ پیروی کرنے والے تھے	۶۱
۱۰۳	امام صاحب کا روایت حدیث میں اختلاف	۶۲
۱۰۳	امام صاحب پر قلت حدیث کا الزام	۶۳
۱۰۴	امام صاحب کا علم حدیث سے تعلق	۶۴
۱۰۴	مسعر بن کدام رحمہ اللہ کی نظر میں	۶۵
۱۰۵	یحییٰ بن سعید القطانؒ کی نظر میں	۶۶
۱۰۶	امام صاحب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی نظر میں	۶۷
۱۰۷	امام اعلمش کو فیؒ کی نظر میں	۶۸
۱۰۷	امام مالکؒ کی نظر میں	۶۹
۱۰۸	امام شافعی رحمہ اللہ کی نظر میں	۷۰

۱۰۸	امام احمد بن حنبل کی نظر میں	۷۱
۱۰۸	ابو الحسن شافعیؒ کی نظر میں	۷۲
۱۱۰	فقہاء کی اختیار کردہ احادیث دیگر احادیث سے رائج ہوتی ہیں	۷۳
۱۱۱	خلاصہ	۷۴
۱۱۲	آخری عرض	۷۵
۱۱۳	المراجع والمصادر	۷۶

انتساب

دارالعلوم دیوبند کے ان نامور سپوتوں کے نام جنہوں نے ہر دور میں نامساعد حالات کے باوجود اسلام کا چراغ روشن رکھ کر راہِ حق کے مسافروں کیلئے روشنی کا مینار ہونے کا ثبوت دیا۔

تقریظ (طبع اول)

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی صاحب شہید رحمہ اللہ
سابق شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵۔

قرآن و حدیث میں بہت سارے مسائل منصوصی طور پر مذکور ہیں اور
بہت سارے مسائل ایسے ہیں کہ جو صراحۃً اور منصوصی طور پر مذکور نہیں ہیں۔
ان غیر منصوص مسائل کا حکم معلوم کرنے کیلئے مجتہدین کے اجتہاد کی
ضرورت ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد مجتہدین امت نے
(جن میں صحابہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے مجتہدین شامل ہیں) اس سلسلے میں
اجتہاد کر کے امت کی رہنمائی کی۔ اور ان غیر منصوص مسائل کا حکم قیاس استحسان اور
مراتب دلالت تنقیح مناط تحقیق مناط اور تخریج مناط کے طریقے پر معلوم کر کے ایک
مرتب نظام کی شکل میں امت کے سامنے پیش کیا اس کے بعد امت میں کچھ لوگ تو وہ
پیدا ہوئے کہ جو قیاس و استحسان و اجتہاد کے منکر تھے اور کچھ وہ پیدا ہوئے جو ہر مسئلہ
میں باوجود نااہلیت کے اجتہاد کے مدعی ہوئے اس لئے اس کی ضرورت پیش آئی کہ
اجتہاد کے مفہوم اور شرائط وغیرہ کیبحاث کو امت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ
ایک طرف تو اس کی ضرورت ثابت ہو جائے اور دوسری طرف نااہلوں کے اجتہاد
سے امت محفوظ رہے۔

یہ مباحث اصول فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اردو میں بھی بعض علماء نے اس پر کتابیں لکھی تھیں، اب اس موضوع پر ہمارے جامعہ کے تخصص فی الفقہ الاسلامی کے طالب علم مولوی علی الرحمن صاحب نے یہ مختصر اور جامع رسالہ لکھا ہے بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ اس کو مقبول بنا کر امت کیلئے نافع بنادے اور مؤلف کے علم و عمل میں اللہ تعالیٰ برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

کتبہ

نظام الدین

۱۵/۴/۱۴۲۰ھ صبح

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابویوسف محمد ولی درویش صاحب رحمہ اللہ

سابق استاذ: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده اما بعد:

دین اسلام اللہ پاک کا آخری دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کے آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا قیامت تک کیلئے یہ دین کافی و شافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اس دین کو قیامت تک رکھنا ہے وہاں اس کی بقاء کا انتظام بھی فرمایا ہے۔ اور وہ ہے اس امت میں مجتہدین کی کثرت۔ کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے افراد پیدا فرمائے جو اپنی علمی استعداد اور خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نئے پیدا ہونے والے مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں لیکن کیا ہر وہ شخص جو محض لفظی ترجمہ دیکھ کر کچھ شدھ بدھ پیدا کر لے وہ بھی اجتہاد کا اہل ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ بازیچہ اطفال نہیں

زیر نظر رسالہ میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ اجتہاد کے کیا کیا لوازمات

ہیں؟

اللہ تعالیٰ صاحب کتاب کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور لوگوں کو اس سے نفع اٹھانے کی توفیق دیدے۔ آمین؛

وصلی اللہ علی خیر خلقہ وصحبہ ومن تبعہم باحسان الی

یوم الدین۔

کتبہ:

ابو یوسف محمد ولی درویش

جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مؤلف (طبع اول)

الحمد لله رب العالمین الذی جعل العلماء ورثة النبیین وخص
منہم المجتہدین من الصحابة والتابعین ومن تبعہم من أئمة الدین
فاختارہم قادة الامۃ فی فروع الشریعة الی یوم الدین، و الصلوۃ
والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعہم من
الفقہاء المجتہدین وسائر العلماء المخلصین وعامة المسلمین باحسان الی
یوم الدین۔

ناظرین کرام! یہ بات کسی شخص پر مخفی نہیں کہ قیامت کی علامات دن بدن
معرض وجود میں آرہی ہیں اور بے دینی آئے دن بڑھتی چلی جا رہی ہے اور نت
نئے فرقے جنم لے رہے ہیں انہیں فرقوں میں سے ایک فرقہ اسی طرح کا رونما ہوا
ہے جو امام المجتہدین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں انتہائی
جارحانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور خالی الذہن عوام الناس کو اس دھوکہ میں
ڈالتا ہے کہ دلائل تو صرف دو ہی ہیں قرآن اور حدیث۔ اور بعد میں امام صاحب کا
اجتہاد کرنا یہ تو محض ایک فضول شئی ہے جو انہوں نے ایجاد کی ہے دوسرا دھوکہ یہ دے
رہا ہے کہ امام صاحب قرآن و حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے واجتہاد کو ترجیح
دیتے ہیں۔

ان باتوں کو عوام الناس میں مشہور کرنے کے لئے ہمہ وقت ان کے بڑے سے لے کر چھوٹے تک اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ عوام کو اصل حقیقت سے ورغلا یا جائے جس کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان پریشان ہو کر تنگ آ جاتے ہیں، اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے بندہ نے بفضلہ تعالیٰ اختصار کے ساتھ اس فرقے کے ان دونوں دھوکوں کو عام فہم الفاظ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مختصر رسالے کو مخلوق کے لئے نافع بنادے اور میری مغفرت کا ذریعہ اور نجات کا سامان بنادے۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

علی الرحمن فاروقی

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

بجامعة العلوم الاسلامیة علامہ محمد یوسف

بنوری ٹاؤن کراچی ۵ پاکستان

عرض مؤلف (طبع دوم)

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم . اما بعد .

آج سے تقریباً چھ سال پہلے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے
بندہ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں دوران
تخصّص فی الفقہ ایک چھوٹا سا رسالہ بنام ”اسلام میں اجتہاد کی ابتداء
اور حنفی مذہب“ مرتب کیا تھا جس پر میرے استاذ اور شیخ استاذ العلماء شیخ
الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ اور حضرت
مولانا مفتی ابویوسف محمد ولی درویشؒ کے دست مبارک کی تقریظیں تھیں۔ (اللہ تعالیٰ
ان دونوں حضرات پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، اور اس رسالہ کا ثواب ان تک
بھی پہنچائے)

اس وقت مرحوم حاجی جمیل احمدؒ بلال مسجد سٹی کورٹ نے پہلی بار اس
رسالہ کو شائع کیا تھا اور کراچی بھر میں تقسیم کروایا فجزاہ اللہ تعالیٰ و رحمہ۔
رسالہ چونکہ مختصر اور علمی طبقہ تک محدود تھا اس لئے احباب کے مشورہ سے
اس میں قطع و برید کے ساتھ کچھ نئی باتوں کا اضافہ بھی کیا گیا تاکہ عام طبقہ بھی اس
سے بآسانی فائدہ اٹھا سکے۔

بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس رسالہ کو انصاف کی نظر سے دیکھا جائے اور سمجھا جائے تو انشاء اللہ مذہب حنفی کے محقق مفید معلومات سامنے آ جائیں گی اور غلط سلط شبہات ختم ہو جائیں گے۔ طبع ثانی میں اس وجہ سے اس رسالہ کا نام ”اجتہاد اور مذہب حنفی کی حقیقت“ رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ناچیز کی اسی ادنیٰ سی کوشش کو اپنے دربار میں مقبول و منظور فرمائے اور میرے اساتذہ کرام، والدین، اقرباء، یار و احباب سب کیلئے ذریعہ مغفرت و سامان نجات بنائے۔ آمین۔

کتبہ:

(مولانا) علی الرحمن فاروقی

مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد کراچی

و

مدرسہ عربیہ اولیس قرنی غوثیہ کالونی کراچی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

تہدید

اس رسالہ کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں اجتہاد کے موضوع پر بحث ہوگی جبکہ دوسری فصل میں امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر کئے جانے والے الزام (کہ امام صاحب قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے اپنی رائے واجتہاد کو ترجیح دیتے ہیں) کی حقیقت بیان ہوگی۔ انشاء اللہ۔

پہلی فصل

اجتہاد کی تعریف:

لغت میں اجتہاد کا مادہ ”ج، ہ، د“ ہے ”ج“ کے پیش اور زبر کے ساتھ طاقت، کوشش اور محنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
علامہ زبیدی فرماتے ہیں:

”الاجتہاد بذل الوسع فی طلب الامر والمراد به ردّ
القضية من طریق القیاس الی الكتاب والسنة“

اجتہاد کہتے ہیں کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا اور اس سے مراد ہے کسی مسئلہ کو قیاس کے واسطہ سے کتاب و سنت کی طرف لوٹانا۔

(تاج العروس ص ۳۳۰، ج ۲، نماز پیبر ص ۳۸)

اجتہاد کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ وہ حکم جو منصوص ہو یعنی صراحت کے ساتھ قرآن و حدیث میں موجود ہو اور غیر محتمل ہو یعنی اس کے اندر کوئی دوسرا احتمال نہ ہو تو اس کے اندر مجتہد کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ البتہ ایسا حکم جو کہ غیر منصوص ہو یعنی قرآن و حدیث میں اس کی صراحت نہ ہو یا صراحت ہو لیکن اس میں مختلف احتمالات ہوں تو اس صورت میں مجتہد کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ بلکہ مجتہد اس پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور یہی اجتہاد قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ ذیل میں پہلے قرآن کریم سے اجتہاد کی مشروعیت (جائز ہونے کا) ذکر ہوگا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر اس کے بعد صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین اور دیگر فقہاء صحابہ کرام کے اجتہاد کا ذکر ہوگا۔

کتاب اللہ سے اجتہاد کی مشروعیت (جواز) پر استدلال

پہلی آیت:..... قرآن شریف میں رب و ذوالجلال نے فرمایا ہے۔

”وَلَوْ دَّوَّهَ إِلَى الرُّسُولِ وَالْأُولَى الْأَمْرُ مِنْهُمْ لَعَلَّمَهُ الَّذِينَ

يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ“

ترجمہ:..... اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق

کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔

(سورۃ النساء ۸۳)

اس آیت میں اولوالامور سے مراد حاکم ہیں اور اکثر علماء کرام نے اولوالامور سے مراد مجتہدین عظام لئے ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اس حکم کو یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور مجتہدین کی طرف لوٹا دیتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کرتے ہیں وہ اس کو جان لیتے۔ بہر حال اس آیت سے استنباط مسائل کی اجازت ملتی ہے بلکہ اس سے یہ مفہوم بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر یہ مجتہدین حضرات ان کے لئے کسی حکم کو تلاش کریں تو یہ بھی شارع کی طرف سے جائز سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ان کو اجتہاد کی اجازت دی نہ یہ کہ ان کو اجتہاد سے منع فرمایا۔

اصول السرخسی میں ہے

”والاستنباط ليس إلا استخراج المعنى من المنصوص

بالرأى“

یعنی کسی حکم کو قرآن و حدیث سے نکالنا رائے کے ذریعے سے یہی معنی

استنباط کا ہے۔

بعینہ اسی طرح مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ قرآن و حدیث سے مسائل نکالا

کرتے تھے۔

”لجزاهم الله خير الجزاء عن جميع الأئمة المرحومة“

دوسری آیت:

سورة الحشر آیت نمبر ۲ میں ہے

”فاعتبروا یا اولی الابصار“

تفسیر مظہری میں اس آیت کے تحت لکھا ہے

”استدلوا بهذه الآية على حجية القياس من حيث انه تعالى

امر بالاعتبار والمجاورة من اصل الى فرع لمشاركة بينهما في

وصف يصلح سبباً لذلك الحكم“

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرامؒ نے اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر

استدلال کیا ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۳۴ جلد نمبر ۹)

(۲)۔ مفسر قرآن علامہ ابوسعود رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر کے حاشیہ میں لکھا ہے

”وقد استدلل به على حجية القياس“

اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ص ۳۵۱ ج ۶)

تفسیر روح المعانی میں اس آیت پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے

”واشتهر الاستدلال بالآية على مشروعية العمل بالقياس

الشرعی قالوا له تعالى امر فيها بالاعتبار وهو العبور والانتقال من

الشيء الى غيره اذ فيه نقل الحكم من الاصل الى الفرع“

اس آیت کے ساتھ قیاس شرعی پر عمل کرنے کا استدلال مشہور ہو گیا ہے۔
 علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اعتبار کا حکم دیا ہے اور وہ ایک
 چیز سے دوسری چیز کی طرف اشتراک کی وجہ سے حکم کے منتقل ہونے کا نام
 ہے، اور یہی قیاس شریعت میں معتبر ہے اس لئے کہ اس کے اندر بھی حکم
 اصل سے فرع کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

”الآیۃ وان دللت علی العموم فذاک وان دللت علی الاطلاق
 وجب الحمل علی القیاس الشرعی لان الغالب من الشارع
 مخاطبتنا بالامور الشرعیۃ دون غیرها وشمول حکم خطاب
 الموجودین لغيرهم الی یوم القیامۃ قد انعقد الاجماع علیہ“
 (روح المعانی ص ۳۲ ج ۲۸)

اس عبارت کا حاصل یہ نکلا کہ یہ آیت اگرچہ عموم پر دلالت کرتی ہے لیکن
 اس کو قیاس شرعی پر حمل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ شارع کی طرف سے
 غالب یہی ہے کہ وہ ہمیں مخاطب کرتا ہے شرعی امور پر نہ کہ غیر شرعی امور پر
 اور اس پر اجماع ہوا ہے کہ موجودین کو جو حکم ہے وہ قیامت تک آنے
 والوں کے لئے ہے۔

اور اصول السرخسی میں ہے

”واما الکرخی فقد احتج بقولہ تعالیٰ ”فاعتبروا یا اولی
 الابصار“ والاعتبار هو العمل بالقیاس والرأی فیما لانص فیہ“

امام کرخی رحمہ اللہ نے بھی اسی آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اعتبار سے مراد عمل کرنا ہے قیاس اور رائے کے ذریعے ان مقامات میں جہاں نص وارد نہیں ہوا ہے (یعنی قرآن و حدیث میں جو مسائل نہ ہوں ان کو قیاس و رائے سے حل کرنے کو اعتبار کہتے ہیں جس کا آیت میں حکم ہے)۔

احادیث نبویہ سے اجتہاد کی اجازت

پہلی حدیث:

اس باب میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت کافی مشہور ہے ”قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم بم تقضي؟ قال بكتاب الله، قال فان لم تجد في كتاب الله؟ قال بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال فان لم تجد في سنة رسول الله؟ قال اجتهد برأبي. فقال الحمد لله الذي وفق رسول رسولنا لما يرضى به رسولنا“ (اصول السنن ص ۱۰۷ ج ۱۲ بوداؤد ص ۱۳۹ ج ۲)

ترجمہ:..... حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (جس وقت ان کو یمن کی طرف روانہ کر رہے تھے) آپ کس چیز پر فیصلہ کریں گے؟ تو حضرت معاذ نے عرض کی کہ اللہ کی کتاب پر۔ پھر پوچھا کہ اگر اللہ کی کتاب میں وہ فیصلہ نہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ نے عرض کی

کہ پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں آپ نہ پائیں؟ تو حضرت معاذؓ نے عرض کی کہ میں پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس کام کی توفیق دی جس پر ان کے رسول راضی ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسائل جو قرآن و حدیث میں نہ ہوں ان میں مجتہد کو اجتہاد کی اجازت حدیث سے ملی ہے۔

اصول السرخسی میں اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

”فہذا دلیل علیٰ انہ لیس بعد الکتاب والسنة شیء یعمل بہ سوی
الرأی“

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسی کوئی چیز ہی نہیں جس پر عمل کیا جائے سوائے رائے کے۔

بہر حال مطلقاً یہ کہنا کہ قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی دلیل نہیں یہ بڑی غلطی ہے۔

دوسری حدیث:

صحیح مسلم میں ”باب بیان اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب
او اخطا“ کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے۔

”عن ابی قیس مولى عمرو بن العاص عن عمرو بن العاص انه
سمع رسول الله ﷺ قال اذا حكم الحاكم فاجتهدتم اصاب
فله اجران واذا حكم فاجتهدتم اخطا فله اجر.

(صحیح مسلم ص ۶ ج ۲، بخاری ص ۹۲ ج ۲، ترمذی ص ۲۴۷ ج ۱،

ابن ماجہ ص ۱۶۳، ابوداؤد ص ۱۳۷ ج ۲، نسائی ص ۳۰۳ ج ۲)

ابو قیس سے روایت ہے (جو کہ مولیٰ تھے حضرت عمرو بن عاصؓ کے) کہ
حضرت عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے
فرمایا جب حاکم اجتہاد کرے اور پھر حق کو پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔
اور جو اپنے اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(الفقیہ والمتفقہ للبغدادی ص ۴۷۵)

اجتہاد کی حدیث کے متعلق مولانا وحید الزمان کا تجزیہ:

اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا وحید الزمان نے مسلم شریف کا ترجمہ
کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نووی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ حاکم ہے جو
عالم ہو حکم کے لائق ہو اور جاہل کو حکم دینا درست نہیں اگر وہ حکم کرے گا تو گناہگار ہوگا
اگرچہ اس کا حکم اتفاقاً حق ہو جائے اور یہی حکم ہے مجتہد کا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس
حدیث سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جتنے علماء مجتہدین
گزرے ہیں جیسے امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ کو فیؒ، امام احمد بن حنبلؒ،
امام داؤد ظاہریؒ، امام سفیانؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام بخاریؒ، امام

شہیبؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام مزنیؒ، امام سحونؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ابن شبرمہؒ، امام ابن ابی لیلیٰؒ، امام وکیعؒ، امام ابو یوسفؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام ابن جریر طبریؒ، امام شوکانیؒ، امام طحاویؒ، امام ابو ثورؒ، امام ابن منذرؒ، امام لیث بن سعدؒ ان سب کو ہر ایک مسئلہ اختلافی میں اجر ملے گا۔ گوان سے خطا ہوئی ہو اور اس وجہ سے ہر ایک مجتہد اور امام کا احسان ماننا چاہیے راضی ہو اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں سے آمین یا رب العالمین۔ (صحیح مسلم مترجم مع شرح ج ۳ ص ۵۴۶، ۵۴۷)

آج کل کے بعض حضرات قرآن اور حدیث کا نام لیتے تھکتے نہیں، اور ائمہ خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کو اپنی تقاریر وغیرہ میں مذمت کا نشانہ بناتے ہیں انصاف کی بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے بڑوں کی بات ماننی چاہیے کہ ان کے بڑے کس قدر ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کی عزت و احترام کرتے تھے اور ان کے اجتہاد کو احسان کے نام سے پکارتے تھے کہ ان ائمہ نے امت پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور لوگوں کی مشکلات حل کر دیں اور ان کی غایۃ احتیاط (جس کا تذکرہ بعد میں آئے گا) سے پتہ چلا ہے کہ وہ کتنے مخلص اہل ورع و تقویٰ تھے۔ ان چند باتوں سے معلوم ہوا کہ جو مسائل قرآن و حدیث میں نہیں ہیں ان کے حل کیلئے صحابہ کرامؓ کے دور میں اجتہادات ہوئے ہیں اور ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو اگر امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اجتہاد کر کے مسائل حل کریں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جبکہ (جس طرح اشارہ گزر گیا کہ) یہی مجتہدین اس اجتہاد پر مامور من جانب الشرع تھے۔ یعنی جو حضرات اجتہاد کے واقعی اہل

ہیں ان کو باقاعدہ شریعت میں اجازت دی گئی ہے کہ وہ اجتہاد کریں اگر اجتہاد کے بعد کسی مسئلہ میں ان سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس پر بھی ان کو ایک اجر ملتا ہے اور اگر غلطی نہیں ہوتی پھر ان کو دو ہر اجر ملے گا۔

تیسری حدیث:

عن علی بن ابی طالب قال قلت یا رسول اللہ الامر یُنزل بنا بعدک لم یُنزل فیہ قرآن ولم یسمع منک فیہ شی قال اجمعوا الہ العابدین من امتی واجعلوہ شوریٰ بینکم ولا تقضوہ برأی واحد۔

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی الشافعی ص ۷۶ ج ۱)

ترجمہ:..... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول اگر کوئی مسئلہ ہمیں آپ کے بعد پیش آئے جس کے بارے میں قرآن نازل نہ ہوا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ نہ سنا گیا ہو تو ہم کیا کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا اس کے (حل) لئے میری امت کے عابد لوگوں کو جمع کرو اور آپس میں شورائی قائم کرو اور اس میں ایک ہی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

واضح رہے کہ بعینہ اسی طرز کو امام ابوحنیفہؒ اختیار کیا کرتے تھے جس کا بعد میں تذکرہ ہوگا۔

چوتھی حدیث:

عن طارق ان رجلا جنب فلم يصل فاتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال اصبت فاجنب رجل اخر فتيمم وصلى فاتاه فقال نحو ما قال للاخر يعنى اصبت.

(اخرجه النسائي في كتاب الطهارة ص ۳۶ باب تيمم الجنب)

ترجمہ:..... حضرت طارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہو گئی اس نے نماز نہیں پڑھی پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا اور اپنا قصہ ذکر کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے ٹھیک کیا پھر ایک دوسرے شخص کو اسی طرح نہانے کی حاجت ہو گئی اس نے تيمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وہ آپ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی وہی بات فرمادی جو اس سے پہلے والے شخص سے فرما چکے تھے۔ یعنی تو نے ٹھیک کیا۔

اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اجتہاد دو قیاس جائز ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور آپ ﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔

چنانچہ نسائی کے حاشیہ پر اصبت کی تفسیر کی ہے

”اصبت حیث عملت باجتہادک فکل منہما مصیب بھذہ الحیثیۃ وان کان الاول مخطئاً بالنظر الی ترک الصلوۃ

”بالتیمم“

مطلب یہ کہ تو نے ٹھیک کیا اس لئے کہ تو نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اس حیثیت سے دونوں برحق ہیں اگرچہ ان میں سے پہلا آدمی اصلاً خطا پر تھا کہ اس نے تیمم کر کے نماز نہیں پڑھی تھی۔

پس اجتہاد و قیاس کے جائز ہونے میں کچھ شبہ نہ رہا۔

پانچویں حدیث:

عن عمرو بن العاص قال احتلمت فی ليلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلك فتيممت ثم صليت باصحابی الصبح فذكروا ذالك لرسول الله ﷺ فقال يا عمرو صليت باصحابك وانت جنب فاجبرته بالذى معنى من الاغتسال وقلت انى سمعت الله يقول ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيماً فضحك رسول الله ﷺ ولم يقل شيئاً.

(اخرجه ابو داؤد ص ۲۸ سعيد کمپنی) باب اذا خاف الجنب البرداً يتيمم

ترجمہ:..... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے غزوہ ذات السلاسل کے سفر میں ایک سردی کی رات میں احتلام ہو گیا اور مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کروں گا تو شاید ہلاک ہو جاؤں گا میں نے تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں اس قصہ کو ذکر کیا آپ نے فرمایا اے عمرو تم نے جنابت کھالت میں لوگوں کو نماز پڑھادی تو میں نے اس امر کے بارے میں جو کہ مانع تھا اطلاع دی اور عرض کیا کہ میں نے حق تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا کہ اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک حق تعالیٰ تم پر مہربان ہیں تو رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔

یہ حدیث نہایت وضاحت سے اجتہاد و قیاس کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے دریافت فرمانے پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنی وجہ استدلال بتادی اور آپ ﷺ نے اس کو جائز رکھا۔

اس طرح کی اور بھی روایتیں کتب حدیث میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کیا اور آپ نے ان پر تکبر نہیں فرمائی اگرچہ بعد میں آپ ﷺ نے مسئلہ کی حقیقت ان کو بتادی لیکن یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اجتہاد کیوں کیا ہے۔ بہر حال یہ احادیث اجتہاد کے عنوان پر کافی ہیں۔ اب ذیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کی بحث ہوگی۔

اجتہاد میں صحابہ کرام کا طرز عمل

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے الملل والنحل میں لکھا ہے:

”ان الحوادث والوقائع فی العبادات مما لا یقبل الحصر
والعدد نعلم قطعاً انه لم یرد فی کل حادثۃ نص ولا یتصور ذالک
ایضاً الی آخرہ“

جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے نئے واقعات عبادات اور تصرفات کے اندر (جن کا گننا مشکل ہے) کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ہر ایک واقعہ کے اندر نص یعنی قرآن و حدیث کی صراحت نہیں آئی ہے اور ہر مسئلے میں نص کے ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ فلاں مسئلہ میں نص یعنی حکم شرعی کیا ہے۔

آگے امام شہرستانیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل اور واقعات میں قیاس اور اجتہاد کا معتبر ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ تو صحابہ کرامؓ کو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے نئے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ان کے سامنے ایک تو کتاب اللہ تھی تو اس پیش آمدہ مسئلے کو قرآن مجید پر پیش کرتے تھے اگر اس کے اندر حکم صریح ملتا تو اس پر فیصلہ کر دیتے تھے اور اگر کتاب اللہ میں وہ حکم واضح نہ ملتا اس کے بعد نبی کریم ﷺ سے جو منقول ہوتا اس کی طرف توجہ فرماتے تھے اور تمام صحابہ کرامؓ اس پر ایک دوسرے سے مذاکرہ کرتے تھے تو اگر ان میں سے کسی کو اس مسئلے کے بارے میں کوئی حدیث یاد نہیں ہوتی تھی تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یقیناً مشہور تھا اور اجتہاد بھی ان ہی مسائل میں کیا کرتے تھے جو قرآن و حدیث میں صراحت کیساتھ موجود نہ ہوتے اور ظاہر بات ہے کہ جو مسئلہ منصوص علیہا نہ ہوتا ان میں کچھ نہ کچھ ہاں یا نہ کہنا ان حضرات کا کام تھا اگر صرف قرآن و حدیث میں

جو مسائل ہیں ان کو لیا جائے اور اجتہادی مسائل کو نہ لیا جائے تو لوگوں کے لئے اپنے معاملات و تصرفات میں دین کے طرز کو اختیار کرنا مشکل ہو جائے گا۔
(۲) بعینہ یہی مضمون شیخ محمد انصاری نے تاریخ التشریع الاسلامی میں نقل کیا ہے:

”وكانت ترد على الصحابة قضية لا يرون فيها نصاً من كتاب
وسنة واذا كانوا يلجئون الى القياس وكانوا يعبرون عنه
بالرأى.

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ایسے بیشتر فیصلے آتے تھے جن کی وہ کتاب اللہ اور سنت میں نص نہیں پاتے تھے تو اس وقت وہ قیاس کی طرف محتاج ہوتے تھے جسے وہ رائے سے تعبیر کرتے تھے۔

(۳) ”عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم
الاحزاب لا يصلين احد العصر الا في بني قريظة فادرک
بعضهم العصر في الطريق فقال بعضهم لا نصلي حتى ناتيها
وقال بعضهم بل نصلي لم يرد منا ذاك فذكر ذلك للنبي
ﷺ فلم يعنف واحدا منهم“
(بخاری ص ۵۹۱ ج ۲)

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے دن صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ عصر کی نماز کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے تو بعض صحابہؓ کو راستے ہی میں عصر کا وقت آ گیا بعض نے کہا ہم

نماز نہ پڑھیں گے جب تک ہم اس جگہ نہ پہنچ جائیں اور بعض نے کہا نہیں ہم تو نماز پڑھیں گے رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلب نہیں (بلکہ مقصود تاکید ہے جلدی پہنچنے کی کہ ایسی کوشش کرو کہ عصر سے قبل وہاں پہنچ جاؤ) پھر یہ قصہ آپ ﷺ کے حضور میں ذکر کیا آپ نے کسی پر بھی ملامت نہیں فرمائی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام ضرورت کے وقت اجتہاد کیا کرتے تھے مندرجہ بالا واقعہ میں صحابہ کرام نے اپنے اپنے اجتہاد کا تذکرہ نبی ﷺ کے سامنے کیا آپ نے دونوں کی تصویب فرمائی۔

یہ عمومی طور پر بیان کیا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اجتہاد کیا کرتے تھے ذیل میں کچھ خاص صحابہ کرام کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو مستقل اجتہاد و قیاس کیا کرتے تھے۔

خليفة اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

(۱) عن الشعبي قال سئل ابو بكر عن الكلالة فقال اني ساقول فيها برأى فان يك صوابا فمن الله وان يك خطا فمني ومن الشيطان اراهما خلا لولدوا لوالد۔

(الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادي الشافعي ص ۴۹۰ ج ۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا (کہ وہ کس کو کہتے ہیں) آپ نے فرمایا میں اس میں اپنی رائے و اجتہاد سے کہتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اگر غلطی ہوئی تو میرے

اور شیطان کی طرف سے ہوگی پھر فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کا نہ بیٹا ہو نہ والد۔

(۲) حضرت ابو بکرؓ داد کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور حضرت عمرؓ دیتے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا اور باپ کی موجودگی میں بھائیوں کو نص میراث نہیں ملتی اور حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے چونکہ دادا کو باپ کے قائم مقام نہیں بنایا اس لئے دادا کو میراث کا حقدار بنایا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس کی اجازت دینا

(۱) عن شریح القاضی قال قال لی عمر بن الخطاب ان اقص بما استبان لك من كتاب الله فان لم تعلم كل كتاب الله فاقض بما استبان لك من قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فان لم تعلم كل قضية رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقض بما استبان لك من ائمة المجتهدين فان لم تعلم كل ما قضت به ائمة المجتهدين فاجتهد رأيك واستشراهل العلم والنصالح.

(الفقيه والمتفقه ص ۴۹۱)

ترجمہ:..... قاضی شریح سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فیصلہ کرو اس پر جو تمہارے لیے کتاب اللہ سے ظاہر ہو جائے اگر تم پوری کتاب اللہ کو نہیں جانتے ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے جو ظاہر ہو جائے اس پر فیصلہ کرو اگر تم آپ ﷺ کے تمام فیصلے نہ جانتے ہو

تو ائمہ مجتہدین کے فیصلے سے جو ظاہر ہوں اس پر فیصلہ کرو اگر ائمہ مجتہدین کے تمام فیصلوں کو نہیں جانتے ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہل علم وصلاح سے مشورہ کرو۔ الحاصل اس سے اجتہاد کی اجازت ملتی ہے۔

دوسری روایت:

(۲) کتب عمر الی قاضیہ ابی موسیٰ الاشعری (رضی اللہ عنہ) بقول القضاء فریضة محكمة او سنة متبعة ثم قال الفهم الفهم فیما تلجلج فی صدرک مما لیس فی کتاب ولا سنة فاعرف الاشباه والامثال وقس الامور عند ذالک واعمد الی اقربها الی اللہ واشبهها بالحق.

(تاریخ التشريع الاسلامی ص ۲۸۱ و قواعد فی علوم الفقہ)

ترجمہ:..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاضی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ قضاء ایک محکم فریضہ ہے یا سنت ہے۔ جس کی تابعداری کی جاتی ہے پھر فرمایا کہ جو تیرے سینے میں تردد (شک) پیدا کرے ان مسائل سے جو کتاب و سنت میں نہیں ہیں تو اس کو خوب سمجھو پھر اشباہ اور امثال کو جانو اور دیگر امور کو اس وقت قیاس کرو اور قصد کرو اس کی طرف جو قریب ہو اللہ کے ہاں اور زیادہ مشابہ ہو حق کے ساتھ۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے

دی ہے کہ جو مسائل منصوص علیہانہ ہوں ان میں اجتہاد و قیاس سے کام لو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بذات خود اجتہاد کرنا

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کا شوہر وفات پائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ ان دونوں عدتوں (وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں) میں جو طویل ہو وہی اس کی عدت ہوگی اور اختلاف کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورت کی عدت وضع حمل بتائی۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔

”وَاُولَاتِ الْاِحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اِنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ“

اور جس عورت کے خاوند کی وفات ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن بتائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت (جو حاملہ بھی ہو اور اس کا شوہر بھی وفات پا جائے) کی عدت کے لئے ان دونوں آیتوں پر عمل کیا، تو ان کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ دونوں عدتوں میں سے جو طویل اور زیادہ ہو وہی اس کی عدت ہوگی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت وضع حمل کو آیت وفات کے لئے تخصّص بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتہاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مستقل کام تھا جس کو انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول سے لیا تھا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے بارے میں جو تین طلاقوں سے مطلقہ ہو گئی ہے فیصلہ اور فتویٰ جاری کیا کہ اس کے لیے خرچہ بھی ہوگا اور

سکنی (رہائش بھی) اور جب ان کے سامنے فاطمہ بنت قیس کی روایت پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے نفقہ اور سکنی مقرر نہیں کیا تو فرمانے لگے۔

”لا تترك كعاب وبنات سنة نبينا لقول امرأة لعلها حفظت
اونسيت“

ہم کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو ایک عورت کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔
ہو سکتا ہے کہ اس نے یاد رکھا ہو یا بھلا دیا ہو۔

جبکہ دوسرے حضرات نے اپنی رائے کے مطابق اسی فاطمہ بنت قیس کی روایت کو اختیار کیا ہے کہ اس قسم کی عورت کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی (رہائش)۔
اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور بھی متعدد روایات منقول ہیں جن میں انہوں نے باقاعدہ اجتہاد اور قیاس سے کام لیا ہے جن سے مجتہد کے لئے اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

(۱) اگر بیوی آزاد ہو اور اس کا شوہر غلام ہو تو اس صورت میں طلاق دوہوں گی یا تین۔ اس میں حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ طلاق کے عدد کا اعتبار خاوند سے کیا جائے گا اس لئے کہ یہ طلاق کو واقع کرنے والا ہے تو مذکورہ بالا مسئلہ میں خاوند کو دو طلاق کا اختیار ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ طلاق کا عدد زوجہ کی طرف منسوب کیا جائے گا اس لئے کہ طلاق

اسی پر واقع ہوتی ہے۔ تو مذکورہ بالا مسئلہ میں تین طلاق کا اختیار شوہر کو ہوگا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں دونوں طرف سے دلائل ہیں۔ دونوں فریقین نے قرآن و حدیث سے استنباط کر کے اجتہاد کیا۔ لہذا دونوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۲) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس حال میں کہ وہ مریض تھے۔ جب عورت کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بیوی کو وراثت کا حقدار بنادیا حالانکہ مروی ہے کہ قاضی شریح نے اس مسئلہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو مرض کی حالت میں تین طلاق دے تو اس کا کیا حکم ہے تو آپؐ نے جواب دیا کہ جب تک وہ عدت کے اندر ہے اس کو میراث دے دو اور جب عدت ختم ہو جائے تو اس کے لئے میراث نہیں ہے۔ یہاں حضرت عثمان و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا۔ جبکہ اس مسئلے میں کوئی نص نہیں تھی جس کی طرف یہ حضرات رجوع کرتے۔

خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک طلاق شدہ عورت نے عدت کے اندر نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاوند کو چند کوڑے مارے اور ان کے درمیان تفریق کر دی اور پھر فرمایا کہ جو عورت اپنی عدت میں نکاح کرے اور دوسرا خاوند اس کے ساتھ صحبت کرے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کی جائے گی پھر یہ پہلے خاوند کی باقی عدت پوری کرے پھر دوسری عدت پورے کرے پھر آئندہ کے لئے کبھی بھی یہ عورت اس دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ جب پہلے زوج کی عدت ختم ہو جائے تو دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، تو ان دونوں حضرات نے اس بارے میں اختلاف کیا اور قرآن مجید کے احکام میں ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہیں ملتی۔ البتہ حضرت عمرؓ نے تنبیہ و زجر کیلئے یہ قول اختیار کیا اور حضرت علیؓ نے عام اصول کو مد نظر رکھ کر مذکور بالا قول اختیار کیا۔

یہاں تک تو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہوا کہ بہت سے بے شمار مسائل میں یہ حضرات اجتہاد کیا کرتے تھے اور یہ اجتہاد کیوں نہ کرتے جب کہ اس کے سوا دوسرا چارہ کار نہیں تھا اور یہ تو نہیں ہو سکتا ہے کہ جب اس طرح کا مسئلہ پیش آجائے جو قرآن و حدیث میں نہ ہو اور لوگ ان سے پوچھنے آئیں اور یہ

حضرات ان کو اس مسئلے کا کوئی حل نہ بتائیں۔

ذیل میں چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تذکرہ ہوگا جن کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ پہلے تو قرآن و حدیث میں حکم تلاش کرتے اگر مل جاتا تو ٹھیک ورنہ تو وہ حضرات بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر حضرت علی حضرت زید رضی اللہ عنہم کا اپنے اپنے

اجتہادات میں اختلاف رائے

وعن عمران لقی رجلاً فقال ما صنعت فقال قضی علی وزید
بكذا فقال لو كنت انال قضیت بكذا قال فما يمنعك والامر
اليك قال لو كنت اردك الي كتاب الله او الى سنة رسول
الله ﷺ لفعلت ولكني اردك الي رأي والرأي مشترك
فلم ينقض ما قال علی وزید.

ترجمہ:..... حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کی ایک آدمی سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ آپ نے اپنے فیصلے کے بارے میں کیا کیا؟ تو اس نے کہا کہ اس مسئلے میں حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما نے اس طرح فیصلہ کیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو میں (اس کی بجائے) اس طرح فیصلہ کرتا اس آدمی نے کہا کہ پھر کیا مانع ہے آپ ہی فیصلہ فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ اگر میں تجھے کتاب اللہ اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی طرف لوٹاتا تو میں یہ فیصلہ خود ہی کر لیتا (مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں چونکہ آپ کا یہ مسئلہ نہیں تھا اس لئے میں نے خود فیصلہ نہیں کیا) لیکن میرا ارادہ تھا کہ میں تجھے اپنی رائے کی طرف لوٹا دوں۔ اور رائے ایک مشترک شئی ہے۔ پس آپ نے حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے فیصلے کو نہیں توڑا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد کا اظہار بھی کیا اور حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے اجتہاد کو بھی برا نہ کہا۔

حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات نئے مسائل کے پیش آنے سے پہلے اس میں اجتہاد کرتے تھے۔
خطیب بغدادی شافعیؒ نے لکھا ہے

”وقد روى عن عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب
وغيرهما من الصحابة الهم تكلموا فی احكام الحوادث قبل
نزولها وتناظروا فی علم الفرائض والميراث وتبعهم علی
هذه السبيل التابعون ومن بعدهم من فقهاء الامصار فكان
ذالك اجماعاً منهم علی انه غير مكروه ومباح غير

(الفقيه والمتفقه ص ۲۲ ج ۲)

محظور“

ترجمہ:..... مروی ہے حضرت عمر بن خطاب اور علی بن ابی طالب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماع سے کہ وہ حضرات نئے مسائل کے پیش

آنے سے پہلے ان کے احکام میں بات چیت کرتے تھے اور علم فرائض اور میراث میں ایک دوسرے کے ساتھ مناظرے کرتے تھے اور اسی طریقے پر تابعین اور دیگر فقہاء امصار نے ان کی تابعداری کی تو یہ ان کی طرف سے اجماع ہے اس بات پر کہ یہ اجتہاد مکروہ نہیں ہے بلکہ مباح ہے اور منع نہیں۔

حرم الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اجتہاد کرنا

اخبرنا ابو عثمان سعید بن عثمان قال حدثنا ابو عمر احمد بن رحیم قال حدثنا ابو جعفر الدؤلی قال حدثنا ابو عبيد اللہ سعید بن عبد الرحمن المخزومی قال حدثنی سفیان بن عیینة عن عبد اللہ بن ابی یزید قال سمعت ابن عباس اذا سئل عن شیء فان کان فی کتاب اللہ قال بہ وان لم یکن فی کتاب اللہ وکان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بہ فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن ابی بکر ولا عن عمر اجتہد براءہ۔

ترجمہ:..... عبداللہ بن ابی یزید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا جب ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہوتا اگر وہ کتاب اللہ میں ہوتی تو اس پر فتویٰ دیتے تھے اور اگر کتاب اللہ میں وہ چیز نہ ہوتی اور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہوتی تو اس پر حکم کر دیتے تھے۔ اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول میں بھی موجود نہ ہوتی اور نہ ہی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہوتی تو

پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا کرتے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

روی عن ابن عباس انه ارسل الي زید بن ثابت في كتاب الله
ثلث مابقي فقال زيد انما قول برأیی وتقول برأیک۔

ترجمہ:..... مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو کہلا بھیجا کہ کیا کتاب اللہ میں باقی ماندہ مال کے ٹکٹ کا تذکرہ ہے (یہ اس لئے کہ حضرت زیدؓ نے فرمایا تھا کہ اگر عورت مر جائے اس کا شوہر اور والدین ہوں تو ماں کو ”فلامہ الثلث“ کے تحت شوہر کو اس کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ مال کا تہائی حصہ ملے گا، جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ مال کے تقسیم سے پہلے مجموعہ مال کا تہائی حصہ ماں کو ملے گا حضرت ابن عباسؓ نے ان سے ان کے قول کی دلیل طلب کی تو حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ میں تو اپنی رائے واجتہاد سے کہتا ہوں اور آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں (دونوں برحق ہیں)

(مکذافی اصول السرخسی ص ۱۲۱ ج ۲)

رائے واجتہاد کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا موقف

”عن ابن مسعود انه قال انه في غير مالي مسألة القول فيها برأیی“
ترجمہ:..... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کئی مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں میں اپنی رائے سے کہتا ہوں (یہ اس لئے کہ قرآن وحدیث

میں ان مسائل کی صراحت نہیں ہوتی تھی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اجتہاد کا حکم دینا

قال حدثنا موسى بن اسماعيل قال حدثنا عبد الواحد قال حدثنا الأعمش عن عمارة بن عمير عن عبد الرحمن بن يزيد قال أكثر الناس يومًا على عبد الله يسألونه فقال أيها الناس قد اتى علينا زمان ولسنا نقضى ولسنا هناك فمن ابتلى بقضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان اتاه ما ليس في كتاب الله ولم يقل فيه نبيه فليقض بما قضى به الصالحون فان اتاه امر لم يقض به الصالحون وليس في كتاب الله ولم يقل فيه نبيه فليجتهد رأيہ.

(جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر المالکی ص ۳۶۳)

ترجمہ:..... حضرت عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے کہ ایک دن کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ سوال کرنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! ہم پر تو ایک ایسا زمانہ آیا ہے کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے اور نہ فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ پس آج کے بعد جو قضاء میں مبتلا ہو (یعنی قاضی بنے) اس کو چاہئے کہ فیصلہ کرے اس پر جو کتاب اللہ میں ہے اور اگر ایسا مسئلہ پیش آجائے جو کتاب اللہ میں نہ ہو اور اس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی کچھ ارشاد نہ فرمایا ہو تو فیصلہ کرے اس پر جس پر نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو۔

اور اگر ایسا مسئلہ پیش آجائے جس پر نیک لوگوں نے بھی فیصلہ نہیں کیا
اور کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور نبی ﷺ نے بھی اس میں کچھ نہ فرمایا ہو تو پھر
قاضی کو چاہئے کہ وہ اجتہاد کرے۔ واضح رہے کہ ایک دوسری سند سے بھی
مندرجہ بالا عبارت منقول ہے۔

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام سے کوئی
مسئلہ منقول نہ ہو تو اس میں مجتہد کے لئے اجتہاد کی اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بذات خود اجتہاد کرنا

اس کی تو بہت سی مثالیں ملتی ہیں ذیل میں ایک ہی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی رائے یہ تھی کہ طلاق شدہ عورت اپنی عدت
سے اس وقت تک فارغ نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے تیسرے حیض کا غسل نہ کرے
اور حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ تھا کہ وہ تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عدت
سے فارغ ہو جائے گی اور اس اختلاف کا سبب لفظ قرء کے معنی میں اختلاف کا ہونا
ہے کہ کیا اس سے مراد طہر ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے سمجھا یا حیض ہے
جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے سمجھا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیگر مسائل میں اجتہاد

حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن و حدیث موجود تھے اس لئے وہ قرآن اور حدیث سے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق استنباط کر کے الگ الگ رائے اختیار کیا کرتے تھے۔

مس ذکر (آلہ تناسل کے چھونے)

کے مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کا اجتہاد

مس ذکر کے بارے میں فقہاء صحابہ و تابعین کا اختلاف رہا اس لئے کہ نبی ﷺ سے روایات مختلف تھیں۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سالم اور حضرت عروہؓ کے نزدیک مس ذکر سے وضو لازم آتا تھا اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور دیگر فقہاء کو نہ کا مسلک تھا کہ مس ذکر سے وضو لازم نہیں آتا ہے۔

عورت کو اختیار طلاق دینے میں صحابہ کرامؓ کا اجتہاد

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے دے تو اس میں حضرت عمر حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کی رائے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مختلف تھی حضرت عمر اور حضرت ابن مسعودؓ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی اس طرح طلاق کا اختیار اپنی بیوی کو دے دے تو اگر اس بیوی نے

اپنے شوہر کو پسند کیا تو پھر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس نے اپنے لئے طلاق کو پسند کیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور علیؑ کی رائے یہ تھی کہ اگر اس عورت نے اپنے شوہر کو پسند کیا تو پھر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس عورت نے اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے طلاق کو پسند کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے یہ تھی کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو پسند کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کو پسند کیا تو تین طلاقیں واقع ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اختلافی مسئلہ میں ہر مجتہد کو اجتہاد کرنے کا حق ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجتہاد

کی وجہ سے اکثر مسائل میں اختلاف رہا

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں جو مجتہدین اور فقہاء حضرات تھے وہ قرآن و سنت سے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مسائل مستبط کرتے تھے جس کی وجہ سے اکثر مسائل میں صحابہ کرامؓ کا آپس میں اختلاف رہا اس کے علاوہ چند مسائل اور ملاحظہ ہوں۔

(۱) بعض صحابہ کرامؓ نماز میں بسم اللہ پڑھا کرتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔

(۲) بعض بسم اللہ کو جہر پڑھتے تھے اور بعض سر پڑھتے۔

(۳) بعض فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔

(۴) بعض صحابہ کرامؓ قے وغیرہ سے وضو کیا کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔

- (۵) بعض بیوی کو ہاتھ لگانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔
 (۶) بعض اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔
 (۷) اور بعض حضرات آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔

اور بھی ایسے لاتعداد مسائل ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ حضرات اجتہاد کرتے تھے اور ہر مجتہد کا اجتہاد کرتے وقت علیحدہ انداز و طرز ہوتا ہے جس کے ذریعے سے مسائل مستہبط کرتا ہے جو دوسرے مجتہد کے طرز کے خلاف ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ آپس میں مسائل کے اختلاف کے

باوجود ہدایت یافتہ تھے

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجة اللہ البالغة میں ذکر کیا ہے

”الصحابۃ مختلفون وہم جمیعاً علی الہدیٰ“

کہ صحابہؓ آپس میں مسائل کے اندر اختلاف رائے کے باوجود سب ہدایت پر تھے۔

اسی طرح مجتہدین خصوصاً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا حال ہے کہ فروعی مسائل میں اگر چہ ان کا اختلاف تھا لیکن ہدایت پر سارے تھے۔

کیونکہ ماقبل سے معلوم ہوا کہ مجتہد کے لئے اجتہاد کی اجازت من جانب الشرع ہے تو جب ہر مجتہد کو اجتہاد کی اجازت مل گئی تو ہر ایک نے اپنے اپنے اصول اجتہاد سے قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کئے۔

تو ان حضرات کے اجتہاد میں اختلاف کا آجانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی آپس میں اجتہادی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔ اور ائمہ نے سارے علوم و معارف حضرات صحابہ کرام سے حاصل کئے تھے تو یہ حضرات بھی اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق ہدایت پر ہیں۔

خلاصہ کلام:

بہر حال ان مختصر حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اجتہاد قرن اول میں بھی تھا یعنی (پاک پیغمبر ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں) اس پر کسی نے نکیر نہیں کی۔ یعنی وہ نووارد مسائل جن کے لئے صریح نصوص موجود نہیں یا تھیں تو صحیح مگر اس میں متعدد احتمالات تھے یا آپس میں بظاہر تعارض تھا۔

صحابہ کرامؓ نے ان کو اجتہاد کر کے حل کیا ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ائمہ مجتہدین تابعین خصوصاً ائمہ اربعہ نے ان کی تابعداری کی اور نہایت عرق ریزی و شب بیداریاں کر کے مسائل حل کر دیئے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مستقل ذکر کیا جائے جو مستقل فتوے دیا کرتے تھے اور جب کوئی مسئلہ ایسا ہوتا

کہ قرآن و حدیث میں صراحۃً نہ پاتے تو اجتہاد کیا کرتے تھے۔

قرن صحابہؓ میں مجتہدین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم

مدینہ میں:

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

مکہ میں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

بصرہ میں:

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما تھے۔

مصر میں:

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما تھے۔

دورتا بعین میں مجتہدین حضرات

مدینہ میں:

- (۱) حضرت سعید بن المسیب (۲) سلیمان بن یسار (۳) قاسم بن محمد (۴) سالم بن عبد اللہ بن عمر (۵) عبید اللہ بن عتبہ (۶) ابوسلمہ بن عبد الرحمن (۷) خارجہ بن زید (۸) ابوبکر بن عبد الرحمن (۹) عروۃ بن الزبیر (۱۰) ابان بن عثمان (۱۱) ابن شہاب (۱۲) ابوالزناد (۱۳) ربیعہ (۱۴) مالک (۱۵) عبد العزیز بن ابی سلمہ ابن ابی زبیب رحمہم اللہ۔

مکہ اور یمن میں:

- (۱) عطاء (۲) مجاہد (۳) طاؤس (۴) عکرمہ (۵) عمرو بن دینار (۶) ابن جریج (۷) یحییٰ بن ابی کثیر (۸) معمر بن راشد (۹) سعید ابن سالم (۱۰) ابن عیینہ (۱۱) مسلم بن خالد (۱۲) حضرت امام شافعی رحمہم اللہ۔

کوفہ میں:

- (۱) علقمہ (۲) اسود (۳) عبیدہ (۴) شریح القاضی (۵) مسروق (۶) شعبی (۷) ابراہیم النخعی (۸) سعید بن جبیر (۹) حارث العکلی (۱۰) حکم بن عقیقہ (۱۱) حماد بن ابی سلیمان (۱۲) امام ابوحنیفہ (۱۳) امام سفیان ثوری (۱۴) حسن بن صالح (۱۵) ابن المبارک اور کوفہ کے دیگر فقہاء رحمہم اللہ۔

بصرہ میں:

- (۱) حسن (۲) ابن سیرین (۳) جابر بن زید (۴) ایاس بن معاویہ (۵)
عثمان البتی (۶) عبید اللہ بن الحسن (۷) سوار القاضی رحمہم اللہ۔

شام میں:

- (۱) مکحول (۲) سلیمان بن موسیٰ (۳) اوزاعی (۴) سعید بن عبد العزیز
(۵) اشہب (۶) ابن عبد الحکم (۷) اصبح (۸) مزنی (۹) بویطی (۱۰)
ریح۔

بغداد وغیرہ میں:

- (۱) ابو ثور (۲) اسحاق بن راہویہ (۳) ابو عبید قاسم بن سلام (۴) ابو جعفر
الطبری۔

الغرض دور تابعین میں یہ بڑے بڑے مشہور مجتہدین تھے جن کا کام
مستقل اجتہاد تھا یہ نام اس لئے ذکر کئے گئے تاکہ پتہ چلے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
اور دیگر ائمہ کا اجتہاد کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ بلکہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور
کبار تابعین رحمہم اللہ کا ہی طریقہ تھا۔

واضح رہے کہ ذکر کردہ مجتہدین اکثر صحاح ستہ خصوصاً بخاری میں موجود ہیں۔

کیا اجتہاد ہر کوئی کر سکتا ہے:

قرآن و حدیث کو سمجھنے اور اس سے مختلف قسم کے مختلف مسائل مستنبط (نکالنے) کیلئے محض تھوڑی بہت عربی دانی اور اردو کے چند رسالے پڑھنا کافی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی نازک نوعیت والا مسئلہ ہے لوگوں کی اکثریت اسے نظر انداز کر لیتی ہے۔ بسا اوقات عربی واقفیت اور شہد کے باوجود قرآن کریم کی بے شمار آیات، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاتعداد احادیث ایسی ہیں جن کے ظاہری معنی و مطلب کو سمجھ کر بندہ بہت بڑی غلطیاں کر دیتا ہے۔

قرآن و حدیث میں بظاہر کافی آیات و احادیث متعارض ہیں (یعنی ان کے درمیان ظاہری معنی کے اعتبار سے اختلاف اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے) ان کو کیسے حل کیا جائے ان کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہو؟ وغیرہ۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہر کس و نا کس اس کو حل نہیں کر سکتا۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں ہے

”مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا متعمدًا فجزاءه جہنم خالداً فیہا“

اس آیت میں کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا بتایا گیا۔ حالانکہ دیگر نصوص کو دیکھتے ہوئے اہلسنت والجماعت سب کے ہاں

مسلمان کو قصداً قتل کرنے والے کی سزا دائمی جہنم نہیں ہے کیونکہ دائمی جہنمی ہونے کی سزا صرف کافر کیلئے مخصوص ہے، اور اس آیت کا جواب ایک یہ دیا جاتا ہے کہ ”خلود“ سے مراد ایک طویل مدت تک جہنم میں رہنا ہے نہ کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔
دوسرا یہ کہ یہ حکم بطور زجر کے ہے، نیز حدیث شریف میں ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

”من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر“

(جس نے قصداً نماز چھوڑ دی تو اس نے کفر کیا) وہاں بھی زجر و توبیخ مراد ہے۔
(۲) اسی طرح قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔

”ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم پر عمل نہ کریں وہ کافر ہیں۔

آیت کا ظاہری معنی مراد لیا جائے تو آج کے اکثر مسلمان اس آیت کی رو سے کافر ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج کے مسلمان قرآن کریم پر اپنا فیصلہ نہیں کرتے (اگرچہ مانتے ہیں) مفسرین اس آیت کی تاویل کرتے ہیں کہ یہاں من لم یحکم، من لم یعتقد کے معنی میں ہے یعنی جو حضرات قرآن کریم کے فیصلہ پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ کافر ہیں۔ اور اگر اعتقاد رکھتے ہوں عمل نہیں کرتے (جیسا کہ آج کل مسلمانوں کی اکثریت کی حالت ہے) تو وہ کافر نہیں۔ ہاں گناہ گار ضرور ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی اور بے شمار آیات ہیں۔ جن کا ظاہری معنی لیکر مراد واضح نہیں ہوتی یا ان میں تعارض ہوا کرتا ہے۔ مفسرین و فقہاء کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس طرح کی آیات و احادیث میں تطبیق پیدا کی اور ان کی مراد کو واضح کیا۔ انصاف کی بات ہے کہ کتاب الطہارۃ سے کتاب المفرائض تک یعنی وضو نماز روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق و دیگر تمام معاملات کی احادیث میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے کئی مسائل ہیں کہ ان میں جواز عدم جواز اولیٰ غیر اولیٰ دونوں طرف سے روایات مروی ہیں۔

اب اگر ایک طرف کی روایات کو دیکھ کر ان پر عمل کیا جائے تو دوسری طرف روایات پر عمل کرنا رہ جاتا ہے اور اگر دوسری طرف عمل ہو تو پہلی قسم کی احادیث بلا عمل کے رہ جاتی ہیں ان حالات میں فقہاء و مجتہدین نے دونوں قسم کی روایات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئے اجتہاد کی قوت کو استعمال فرمایا اور دونوں قسم کی روایات میں ایسی تطبیق (جوڑ) پیدا فرمائی کہ جس سے تمام مسائل حل ہوئے اور تمام احادیث پر عمل ہو گیا۔

مسائل شرعیہ کو سمجھنے کیلئے محض حدیث دانی کافی نہیں

فتاویٰ رحمیہ میں اس بات کو وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ مسائل شرعیہ کو سمجھنے کیلئے محض حدیث دانی (احادیث کا یاد کرنا، جاننا) اور قرآن و حدیث کے ظاہر کو دیکھ فیصلہ کر لینا کافی نہیں بلکہ اس کیلئے فقہ، اصول فقہ سے

واقفیت اور تفقہ فی الدین کا حصول نہایت ضروری ہے اسی کے بغیر اصل مقصود تک رسائی ممکن نہیں۔ کئی حضرات اس طرح قرآن و حدیث کے ظاہر کو دیکھ کر غلطی کر چکے ہیں۔

ذیل میں فتاویٰ کی عبارت کو نقل کیا جاتا ہے:

(۱) علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب میں علامہ خطابؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔
 قال الخطابی وکان بعض مشائخنا یروی الحدیث عن البنی
 صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الحلق قبل الصلوۃ یوم
 الجمعة باسکان اللام قال واخبرنی انه بقی اربعین سنة
 لا یحلق رأسه قبل الصلوۃ قال فقلت له انما هو الحلق جمع
 حلقة وانما کره الاجتماع قبل الصلوۃ للعلم والمذاکرة
 وامران یشغل بالصلوۃ ینصت للخطبة فقال قد فرجت
 عنی۔

یعنی ایک شیخ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ جمعہ کے روز نماز سے پہلے حجامت بنوائی جائے اور اس کے بعد کہا کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے میں نے چالیس سال سے کبھی جمعہ سے پہلے سر نہیں منڈوایا ہے۔ علامہ خطابؒ فرماتے ہیں میں نے کہا حضرت ”حلق“ بسکون اللام نہیں بلکہ ”حلق“ لام کے فتح اور حاء کے کسرہ کے ساتھ حلقة کی جمع ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ سے

پہلے علم اور مذاکرہ کے حلقے درست نہیں اس لئے کہ یہ نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کا وقت ہے یہ سن کر وہ شیخ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تم نے مجھ پر بہت آسانی کر دی۔
(تلبیس ابلیس ص ۱۶۶)

(۲)..... ایک بڑے محدث نے یہ حدیث بیان کی۔

”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان يتخذ الروح عرضاً“
اور اس حدیث کی تشریح یہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہوا کیلئے دریچہ (کھڑکی) کو عرضاً (چوڑائی میں) بنایا جائے۔
حالانکہ حدیث کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے حدیث میں لفظ روح راء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور محدث صاحب نے اس کو راء کے فتح کے ساتھ سمجھا اور عرضاً کے بجائے عرضاً (بغیر نقطے والے عین کے ساتھ) پڑھا جس سے مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کیا گیا۔ حالانکہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی جاندار کو باندھ کر تیر (و بندوق وغیرہ) کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ ہے دین کی سمجھ حاصل نہ کرنے اور اپنے فہم پر اعتماد کا ثمرہ

(مقدمہ مسلم شریف ص ۱۸ ج ۱ ص ۱۵۳ ج ۲)

(۳)..... کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی عادت تھی کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے جب اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو دلیل یہ پیش فرمائی کہ حدیث شریف میں ہے

”من استجمر فلیوتر“

جو شخص استنجاء کرے وہ اس کے بعد وتر پڑھے۔

حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کیلئے جو ڈھیلے استعمال کئے جائیں وہ وتر (طاق عدد) ہوں یعنی تین یا پانچ یا سات۔

(۴)..... علامہ داؤد ظاہری (جو قرآن و حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں) نے لَا يُؤْتَلْنِ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ (تم میں سے کوئی شہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے) کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ماء راکد (شہرے ہوئے پانی) میں پیشاب کرنا منع ہے اور پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر کسی الگ برتن میں پیشاب کر کے وہ برتن پانی میں الٹ دیا گیا تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پانی کے کنارے پیشاب کرے اور پیشاب بہہ کر پانی میں چلا جائے تب بھی پانی ناپاک نہ ہوگا اس لئے کہ حدیث میں صرف ماء راکد میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان تینوں صورتوں میں ماء راکد میں پیشاب نہیں کیا۔ لہذا پانی ناپاک نہ ہوگا، امام نووی شارح مسلم شریف میں شرح مسلم میں علامہ داؤد ظاہری کے اس فتویٰ کو نقل کے بعد فرمایا ہے کہ ”یہ فتویٰ داؤد ظاہری کے جمود علی الظاہر کے غلط مسائل میں ایک مسئلہ ہے۔“

(نووی شرح مسلم ص ۱۳۸ ج ۱ رحمہ ۱۵۸۸ھ)

یہ چند مثالیں پیش کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ محض تھوڑی بہت عربی دانی قرآن و حدیث کو سمجھنے کیلئے کافی نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے استنباط (مسائل کا

نکالنا) اور ان کے دقیق باریک رازوں کو جاننا اور اس پر دیگر مسائل کو قیاس کرنا، اور آیات و احادیث میں تعارض کو بطریقہ احسن ختم کرنا، اور تاسخ و منسوخ کا جاننا مجتہد کا کام ہے ذیل میں اجتہاد کی شرائط ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ہر کس و ناکس مجتہد بننے کی ناکام کوشش نہ کر سکے۔

اجتہاد کی شرائط:

اس بحث کے آخر میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر کس و ناکس مجتہد نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اجتہاد کے لئے بہت سی شرائط ہیں جب تک وہ شرائط نہ پائی جائیں کسی کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔ چنانچہ امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”من كان عالماً بالكتاب والسنة بقول اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما استحسنته فقهاء المسلمين وسعه ان يجتهد رايه فيما ابتلى به“

ترجمہ:..... جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال اور فقہاء مسلمین کے استحسان کو جاننے والا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اس مسئلہ میں کہ جس میں مبتلا ہوا ہے۔

یعنی اجتہاد کے لئے کتاب و سنت وغیرہ کا علم ضروری ہے ورنہ تو اجتہاد نہیں کر سکتا ہے۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:

”لا یقیس الامن جمع آلات القیاس وہی العلم بالاحکام
من کتاب اللہ وفرضہ وادبہ وناسخہ ومنسوخہ وعامہ
وخاصہ وارشادہ وندبہ ویستدل علی مااحتمل التأویل منه
بسنن الرسول ﷺ و باجماع المسلمین فاذا لم یکن سنة
ولا اجماع فالقیاس علی کتاب اللہ فان لم یکن فالقیاس
علی قول عامة السلف الذین لا یعلم لهم مخالفوا ولا یجوز
القول فی شی من العلم الامن هذه الاوجه او من القیاس
عليها ولا یكون لاحد ان یقیس حتی یكون عالما بما مضی
قبله من السنن واقاویل السلف واجماع الناس واختلافهم
ولسان العرب“ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۶۶)

جس کا مطلب یہ ہے کہ قیاس صرف وہی شخص کرے جس نے آلات قیاس
کو جمع کیا ہو اور آلات قیاس کتاب اللہ کے احکام کا علم ہے اور کتاب اللہ
کے فرائض آداب ناسخ منسوخ عام خاص ارشاد و ندب کا اور کتاب اللہ میں
جو تاویل کا احتمال رکھتا ہو اس پر سنن رسول ﷺ اور اجماع مسلمین کے
ساتھ استدلال کر سکتا ہو اور جب اس کے سامنے سنت اور اجماع نہ ہو تو
کتاب اللہ پر قیاس کر سکتا ہو اگر سنت میں بھی نہ ہو تو سلف صالحین کے
اقوال پر قیاس کر سکتا ہو جن کے بارے میں اس کو کوئی خلاف معلوم نہ ہو۔

اور علم دین میں کسی شے کے بارے میں کوئی قول کرنا جائز نہیں ہے جب تک یہ وجوہات اس کو معلوم نہ ہوں یا اس پر قیاس معلوم نہ ہو اور کسی کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ قیاس کرے یہاں تک کہ وہ زمانہ ماضی کے سنن اور سلف کے اقوال اور اجماع اور ان کے اختلاف اور لغت عرب کا عالم ہو جائے۔

حاصل یہ ہوا کہ ان شرائط کا ہونا مجتہد میں ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ بالاتفاق مجتہدین تھے اور مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے وہ مسائل میں اجتہاد و قیاس سے کام لیتے تھے۔ جب وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے بخوبی واقف ہوتے تو جب اس میں کوئی مسئلہ صراحۃً نہ ملتا اس کے بعد ائمہ نے ہامر مجبوری شارع کی طرف سے اجتہاد کیا ہے اور اپنے دقیق اجتہاد سے قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کئے ہیں۔

”اللہم فبرّد مضجعہم آمین یا احکم الحاکمین“

مسائل میں اختلاف پر اعتراض کرنے والوں کا

اشکال اور اس کا جواب

اس سے قبل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے درمیان مسائل کی اختلاف کی بات کسی قدر تفصیل سے گزر گئی اب مزید وضاحت کے طور پر اس کی تشریح کی جاتی ہے۔

عام طور پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اللہ ایک، رسول ایک قرآن ایک ہے پھر اس کے باوجود ائمہ اربعہ کے درمیان مسائل میں اختلاف کیوں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے اولین مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ ہی تھے وہ آپ علیہ السلام سے براہ راست فیض یافتہ تھے اس لئے وہی حضرات قرآن و حدیث کو اچھے طریقے سے سمجھ سکتے تھے۔ لہذا ان حضرات نے جو سمجھا ہے وہ ہمارے لئے معیار اور مشعل راہ ہے قرآن اور رسول کے ایک ہوتے ہوئے بھی حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین بے شمار مسائل میں اختلاف تھا۔

ائمہ اربعہ نے ان ہی حضرات سے فیض یافتہ حضرات یعنی تابعین کی فہم و بصیرت پر اعتماد کیا اور ان ہی کے اقوال و مذہب کو اختیار کیا اس لئے ان کے درمیان میں بھی مسائل میں اختلاف واقع ہوا اور صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلاف کے متعلق حدیث میں ہے ”میں نے اپنے صحابہؓ کے باہمی اختلاف کے متعلق پوچھا اللہ نے بذریعہ وحی بتلایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے، کہ ان میں بعض کی روشنی بعض سے زیادہ ہے جو شخص آپ کے صحابہ کے مسالک مختلفہ میں سے کسی مسلک کو اختیار کریگا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ)

صحابہ کرامؓ کے درمیان مسائل میں باہمی اختلافات کی تھوڑی بہت تفصیل آپ حضرات نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائی۔ لہذا ان کے علوم کو حاصل کرنے والے ائمہ اربعہ میں بھی اختلاف کا ہو جانا ظاہر ہے۔

ایک اور شبہ:

(۱) عام طور پر یہ شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اجتہاد قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور مجتہد کی بات ماننے میں کچھ حرج نہیں اور ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) بالاتفاق مجتہدین ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ مجتہدین تو اور بھی بہت گزرے ہیں تو صرف ان چار اماموں کی بات ہی کیوں مانتی ہے۔ کیا قرآن و حدیث میں ان کی صراحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض بے جا ہے۔

انتہائی ادب سے عرض ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کیلئے قرآن و حدیث میں اس کے ذکر کی صراحت ضروری نہیں ورنہ یہ سوال (خصوصاً صرف قرآن و حدیث ہی کے ماننے والوں کو) مہنگا پڑے گا۔ مثلاً کتاب و سنت سے سنت کا واجب العمل ہونا ثابت ہے مگر نام لیکر بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ کو صحاح ستہ نہیں کہا گیا اور نہ ہی قرآن و حدیث میں بخاری اور مسلم کو صحیحین اور بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا گیا ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں قرآن کریم اسی موجودہ ترتیب کے ساتھ مدون اور جمع نہیں تھا۔ اس ترتیب کے ساتھ جمع کرنے کا جواز قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں نہیں ہے۔ (ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ضرور موجود ہے) کیا یہ بھی ناجائز ہوا۔

(۳) قرآن کریم پر اعراب کے لگانے کا مرحلہ آپ علیہ السلام کے مبارک دور کے کافی بعد ہوا ہے قرآن وحدیث میں اس کے لگانے کی صراحت نہیں کیا یہ بھی ناجائز ہوا؟

(۴) اصول حدیث، مرسل، مدلس، معضل، صحیح، حسن، ضعیف، منقطع وغیرہ اقسام حدیث کی تعریفیں نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیث میں، کیا یہ اصطلاحات سب ناجائز ہیں؟ حالانکہ مخالفین حضرات بھی ان کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض محدثین، سواور بعض دوسو برس کے بعد اور کچھ اس سے بھی زیادہ زمانہ کے بعد پیدا ہوئے مثلاً امام بخاریؒ امام مسلمؒ وغیرہ یہ تو امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ کے بعد دنیا میں تشریف لائے اس کے بعد انہوں نے حدیث کی کتابیں لکھیں مگر اس سے ان کی کتابیں کمزور اور ناقابل اعتبار نہیں سمجھی گئی اسی طرح امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے عالم اور مجتہد بنایا اور انہوں نے قرآن وحدیث سے دین کے مسائل مستنبط کئے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے کہ جی ان کا نام قرآن وحدیث میں آنا چاہیے تھا۔

الغرض جس طرح مذکورہ ساری چیزیں محض اس وجہ سے صحیح ہیں کہ امت کے علماء و صلحاء سے ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے (یعنی امت نے ان چیزوں کو قبول کیا اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا) اسی طرح صرف ائمہ اربعہ کی ماننے کو بھی تلقی

بالقول حاصل ہے۔ لہذا قرآن و حدیث میں ان کا نام صراحت سے ہونا ضروری نہیں۔

مذہب اربعہ کے بارے میں حضرت شاہ

ولی اللہ صاحبؒ کی رائے

(حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کی مختلف عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے)

”لأن الناس لم يزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت

المذاهب الاربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير

لكثير من احد يعتبر انكاره ولو كان ذالك باطلاً لانكره“

ترجمہ:..... کیونکہ صحابہ کے وقت سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگوں کا

یہی دستور رہا کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اس کی تقلید کر لیتے۔ (مثلاً مدینہ میں

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور مکہ میں

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مختلف جگہوں میں مختلف صحابہ کرام

اور دیگر مجتہدین کی تقلید شخصی ہوا کرتی تھی۔ تفصیل کیلئے اس موضوع پر لکھی

جانے والے کتابوں کا مطالعہ مفید ہے۔ فاروقی) اس پر کسی معتمد علیہ

شخصیت نے تکیہ نہیں کیا اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات (صحابہ

و تابعین) ضرور تکیہ فرماتے۔ (عقد الجید ص ۲۹)

آگے جا کر فرماتے ہیں:

”وبعد المائین ظهر فیہم التمدھب للمجتہدین باعیانہم
وقل من کان لا یعتمد علی مذہب مجتہد بعینہ وکان
ہذا هو الواجب فی ذالک الزمان“

ترجمہ:..... اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی (یعنی
تقلید شخصی) کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے
مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں۔ (یعنی عموماً تقلید شخصی کا رواج ہو گیا) اور یہی
طریقہ اس وقت رائج تھا۔ (الضاف مع ترجمہ کشاف ص ۵۹)

اور فرماتے ہیں:

”وہذہ المذاہب الاربعۃ المدوۃ المحررة قد اجتمعت
الامۃ او من یعتد بہا علی جواز تقلیدھا الی یومنا ہذا“
ترجمہ:..... اور یہ مذاہب اربعہ جو مدقن و مرتب ہو گئے ہیں پوری امت
نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز
پر اجماع کر لیا ہے (اور یہ اجماع) آج تک باقی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

”وبالجملة فالتمذھب للمجتہدین سر الھمہ اللہ تعالیٰ
العلماء جمعہم علیہ من حیث لا یشرعون ولا یشرعون“

ترجمہ:.....الحاصل ان مجتہدین کے مذہب کے پابندی ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا اور اس پر ان کو متفق کیا ہے وہ تقلید کرنے کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں۔ (انصاف ص ۴۷)

مجتہدین کے مذہب چار میں منحصر ہونے کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی ہے کہ آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر بات اور ہر فصل کے مسائل کتاب الطہارۃ سے کتاب الفرائض تک ائمہ اربعہ کے مذہب میں مدون اور مجتمع (جمع شدہ) ہیں ان کے علاوہ کسی اور مجتہد کے مسائل نہیں اس لئے امت نے تقلید کو ان ہی ائمہ اربعہ میں منحصر کیا۔

چاروں اماموں کا مذہب سنت نبوی کے موافق ہے

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ کے اس اختلاف کو ایک دلچسپ مضمون انداز کے ذریعہ سمجھایا ہے وہ یہ کہ ”ائمہ اربعہ اسلام کے اصول و مبادی میں متفق ہیں ایک ذرہ برابر اختلاف نہیں ہے۔ ہاں عملی مسائل میں ان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے وہ اختلاف دراصل اسلام میں نہیں ہے بلکہ آپس کے دماغی تناسب اور رجحانات کا اختلاف ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال میں مختلف مدارج (راستے) تسہیل (آسانی) کی غرض سے طے فرمائے ہیں، ان مختلف مدارج کی ترتیب نہ معلوم ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے آپس میں

اختلاف ہو گیا مگر مآل اور مقصد میں سب متفق ہیں، اس قسم کا اختلاف ہر نیک سے نیک کام میں ہو جاتا ہے مثلاً دس آدمی اس امر میں متفق ہوئے کہ محتاج کو کھانا کھلانا ثواب کا کام ہے جب عمل کرنے لگیں تو ایک شخص تو کھانے کی جگہ اس کو نقد پیسے دیدے دوسرا ایک قسم کا کھانا اور تیسرا دوسری قسم کا کھانا دے تو دس آدمیوں کے عمل کی دس صورتیں ہو جائیں گی مگر مقصد میں سب متفق ہیں۔

اہل سنت کے چار اماموں میں اسی قسم کا اختلاف ہے۔ حقیقت اسلام میں سب متفق ہیں، عملی فریضے کی عملی صورت میں اختلاف ہے۔ اور جو صورتیں اختلاف میں متحقق ہوتی ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، پس ان میں کسی ایک صورت کو کسی نے آخری سمجھا اور اس کو عمل کے لئے متعین کر لیا، کسی نے دوسری صورت کو، اور کسی نے سب صورتوں کو جائز سمجھ کر عامل کو اختیار دے دیا کہ جو چاہے اختیار کرے مقصود سب کا اتباع سنت نبویہ ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون سی صورت سنت ہے تو یہ اختلاف دین میں نہیں بلکہ لوگوں کے خیال اور تتبع اور تلاش میں ہے اور اس کا دین پر کچھ اثر نہیں۔ (کفایت المفتی ص ۳۳۷ جدید ترتیب ج ۱)

صرف ایک امام کی تقلید کی وجہ

(۱) اب صرف یہ بات رہی کہ صرف ایک امام کی تقلید ہی کیوں ضروری ہے اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب شریعت کی جانب سے مجتہد کی بات ماننے کی اجازت مل گئی (اور ائمہ اربعہ بالاتفاق مجتہد ہیں) تو صرف ایک ہی

مجتہد کی ماننے میں کیا حرج ہے۔ دوم یہ کہ اس ملک میں یہ سوال ہی غلط ہے جیسے یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مجتہد تھے اور لوگ ان کی بات مانتے تھے۔ اور مدینہ والے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہی بات مانتے تھے جیسا کہ بخاری میں موجود ہے) اسی طرح اس ملک میں مساجد/مدارس صرف امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے ہیں۔ دوسری مذہب کے علماء موجود نہیں اسلئے یہاں ایک ہی امام کی ماننا یقینی ہے اس کے بغیر دین پر صحیح طرح عمل کرنا ممکن نہیں۔

(۲) امداد المفتیین میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے بہت انصاف سے یہ بات لکھی ہے

”احقر کے خیال میں اس آیت ”فاسئلوا اهل الذکر ان یتعلمون“ (سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو علم نہیں) سے یہ بالکل واضح ہے کہ جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے کہ خود قرآن و حدیث سے احکام سمجھ کر عمل کر سکیں ان کے لئے یہ حکم ہے کہ اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کریں اسی کا نام تقلید ہے البتہ تقلید شخصی کے وجوب پر اس آیت سے استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ مطلق تقلید کا ثبوت ملتا ہے ہاں مطلق تقلید کے چونکہ دو فرد ہیں ایک تقلید غیر معین اور ایک تقلید معین۔ تو مطلق باطلاقہ دونوں فردوں کے جواز کا ضرور حامل ہے اسلئے آیت سے غیر مجتہد کے لئے مطلق تقلید کا وجوب اور معین اور غیر معین دونوں میں اختیار کرنا مستفاد ہوتا ہے۔

چونکہ علماء نے دیکھا کہ غیر معین کو اختیار کرنے میں مفاسد کثیرہ اور اتباع ہوئی وغیرہ کے خدشات غالب ہیں (ترجمان احناف کی عبارت اس ضمن میں تحریر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ”آج کے دور میں عام طور پر علمی کم مائیگی اور اخلاص و لٹھیت کا فقدان جیسا کچھ ہے ظاہر ہے ایسی حالت میں اگر یہ طے ہو جائے کہ قرآن و حدیث کا مطلب جس کی سمجھ میں جو آئے وہ اس پر عمل کیا کرے اور اپنی سمجھ کے مطابق فتویٰ صادر کیا کرے تو اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ بعض لوگ تو اپنے آپ کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کر دیں گے اور جواز اجتہاد کو احادیث سے پیش کر کے کہیں گے کہ اجتہاد کو حدیث نے کسی جماعت کے ساتھ مخصوص تو کیا نہیں ہے اور پھر ہم بھی تو آخر پڑھے لکھے ہیں قرآن و حدیث کا ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے یا کسی عالم سے سنا ہے اور ہم اس کو سمجھ بھی گئے پھر ہمارا اجتہاد کیوں معتبر نہ ہو؟ اس طرح ہر کس و نا کس مذہبی اجتہاد ہوگا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے موافق فتویٰ دے گا پھر ایک دوسرے کے فتویٰ کو باطل قرار دے گا تو، میں، میں ہوگی اور امت میں سخت اختلاف اور فتنہ و فساد برپا ہوگا۔ (فاروقی)

اس لئے اس سے منع کر دیا گیا۔ لہذا تقلید کا دوسرا فرد یعنی تقلید معین لازم ہوگئی اس کی بعینہ مثال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ قرآن سبعة احرف پر نازل ہوا اور عہد نبوت میں ساتوں لغات میں پڑھا گیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض تنازعے پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو یہ فرمایا کہ ھکذا النزل وھکذا النزل (اس

طرح بھی نازل ہوا اور اس طرح بھی) پھر عہد صدیقی میں جب اسلام بلاد عجم میں شائع ہوا اور قرآن عجمی لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا تو سبعة احرف (سات لغات) کا اختلاف جو اختلاف محمود و مطلوب تھا تو باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سات لغات میں سے ایک حرف کو باقی رکھ کر باقی سے منع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا اس بناء پر نہ تھا کہ وہ چھ لغات قرآنی نہ تھے بلکہ محض مفاسد کا سد باب کرنے کیلئے یہ ضرور داعی ہوا ٹھیک یہی صورت تقلید کے مسئلہ میں پیش آئی کہ عہد صحابہؓ و تابعینؓ میں ہر غیر مجتہد کو اختیار تھا کہ وہ کسی معین عالم کی تقلید کر لے یا غیر معین طریق پر جس عالم سے چاہے مسئلہ پوچھ کر عمل کرے مگر قرون مابعد میں اتباع ہادی (خواہش) کا گمان غالب ہو گیا اس لئے باجماع اہل حق تقلید غیر معین سے منع کر دیا گیا۔

(امداد المفتیین ص ۱۳۷)

(۳) اہل مدینہ کا تعامل زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی:

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ سے روایت ہے.....

”ان اهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرءة طافت ثم

حاضت قال لهم تنفرو قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زید“

(بخاری کتاب الحج)

ترجمہ:..... اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت

کے بارے میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوئی ہے (کہ وہ

طواف وداع کیلئے پاک ہونے کا تک انتظار کرے یا طواف اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کو چلا جانا جائز ہوگا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے۔

فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

”افتینا اولم تفتنا زید بن ثابت یقول لا تنفر“
 آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جاسکتی۔
 نیز فتح الباری میں بحوالہ مسند ابی داؤد طیالسی بروایت قتادہؓ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

”فقلت الانصار لا نتابعک یا ابن عباس وانت تخالف زیداً“

فقال سلوا صاحبکم ام سلیم“ (فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۳)

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی گفتگو کے الفاظ مذکور سے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہو گئیں۔ اول تو یہ کہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے ان کے قول کے مقابل کسی فتوے پر عمل نہیں کرتے تھے۔

دوم یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر یہ اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی النبوۃ ہے حرام، ناجائز ہے بلکہ ان کو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ارشاد کے موافق حضرت ام سلیم سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف مراجعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے کرحدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو قبول فرمالیا اور اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کر لیا۔

(کما صرح بہ فی الفتح ص ۴۶۳ ج ۲)

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات پر انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شان اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے وہ کسی امام معین کی تقلید کو اپنے پر لازم کر لیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

تنبیہ:..... اس واقعہ سے قرن اول اور حضرات صحابہ کرامؓ کے تعامل سے تقلید
 شخصی کا ثبوت و جواز ثابت ہوا پھر قرون متاخرہ میں اس کو واجب و لازم
 قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اس کے اتباع ہوئی سے محفوظ رہنا عادتہ محال
 ہو گیا۔

(ماخوذ از جواہر اللغہ، مؤلف حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ص ۱۵۵)

حاصل کلام:

اس پوری فصل کا حاصل یہ ہوا کہ اجتہاد قرآن و حدیث سے اور صحابہ
 کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور ائمہ اربعہ (امام اعظم امام ابو حنیفہ امام شافعی
 ”امام مالک“ امام احمد بن حنبل) بالاتفاق مجتہدین تھے: ان چاروں میں سے کسی ایک
 امام کی تقلید اس دور میں ضروری ہے۔ (فصل اول ختم ہوئی)

فصل دوم

حضرت امام ابوحنیفہؒ رائے و قیاس کو قرآن

و حدیث پر مقدم نہیں کرتے تھے

یہ بات جانتی چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ ”کو ان کی زندگی ہی میں لوگوں نے مخالفت سنت کا مورد الزام ٹھرایا تھا کہ امام صاحب قرآن و حدیث سے پہلے رائے و قیاس کو مقدم کرتے ہیں پھر یہ الزام بڑھتا گیا امام صاحب کی وفات کے بعد فساد یوں نے اس الزام کو اور زیادہ لوگوں میں مشہور کر دیا حالانکہ یہ محض افتراء اور بہتان عظیم ہے خود حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے:

”کذب واللہ وافتری علینا من یقول النّا نقدم القیاس علی

النص وھل یحتاج بعد النص الی قیاس“

(المیزان للشعرانی ص ۵۱)

خدا کی قسم؛ جھوٹ بولا ہے اور افتراء کیا ہے ہمارے اوپر اس آدمی نے جو

یہ کہتا ہے کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں اور کیا نص کے بعد بھی کسی

قیاس کی احتیاج و ضرورت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب پہلے کو قرآن و حدیث میں خوب دیکھتے

تھے اگر نہ پاتے تو اس کے بعد قیاس اور اجتہاد کرتے مگر نص کی موجودگی میں ہر

گز قیاس واجتہاد نہیں کرتے تھے۔

اور پھر فرماتے ہیں :

”نحن لانقيس الا عند الضرورة الشديدة وذاك النانظر
في دليل المسألة من الكتاب والسنة او القضية الصحابة
فان لم نجد قسنا حينئذ“

ہم مسئلہ کی دلیل کتاب اور سنت رسول ﷺ میں دیکھتے ہیں یا صحابہ
کرامؓ کے فیصلوں میں اگر ہم ان میں نہیں پاتے تو اس کے بعد ہم
قیاس کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو جعفر منصور نے آپ کی طرف خط لکھا جس میں
لکھا ہوا تھا

”بلغني انك تقدم القياس على الحديث“

”مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں“
آپ نے اس پر رد کیا اور فرمانے لگے۔

”ليس الامر كما بلغك يا امير المؤمنين الما عمل اولاً
بكتاب الله ثم بسنة رسول الله ﷺ ثم باقضية ابي
بكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم ثم باقضية بقية
الصحابة ثم اقيس بعد ذلك اذا اختلفوا“

ترجمہ:..... معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح آپ کو اس کی اطلاع ملی ہے اے امیر المؤمنین! میں تو سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر پھر جب وہ آپس میں اختلاف کریں اس کے بعد میں قیاس کرتا ہوں۔ (المیزان للشعرانی ص ۱۵۲ ج ۱)

یہ تمام صریح روایات ہیں جو خود امام صاحب سے مروی ہیں۔ اور اسی طرح کی بہت سی روایات ملتی ہیں جس میں امام صاحب نے واضح کر دیا ہے کہ میں ہرگز اپنے اجتہاد کو قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے فیصلوں سے مقدم نہیں کرتا۔

ایک عجیب انداز میں امام صاحب کا

اپنے نفس سے مذکورہ الزام کی نفی کرنا

یہ ایک واقعہ ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد باقر زین العابدینؒ کے درمیان پیش آیا جس میں امام صاحب نے ثابت کیا کہ میں قرآن و حدیث سے پہلے اپنی رائے کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

جب امام ابو حنیفہؒ اپنے اول زمانہ اجتہاد میں مشہور ہوئے تو امام محمد باقر کی آپ سے ملاقات ہوئی تو امام محمد باقر نے امام صاحب سے پوچھا ”الست الذی حولت دین جدی واحادیثہ بالقیاس“ آپ وہی آدمی ہیں جنہوں نے میرے دادا (محمد ﷺ) کے دین کو بدل دیا اور ان کی احادیث مبارکہ کو قیاس

سے بدل دیا آپ نے فرمایا معاذ اللہ میں تو اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسے فعل سے پھر ان کو فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں میں بھی بیٹھ جاؤں گا اس لئے کہ آپ کی میرے نزدیک وہی قدر ہے جس طرح آپ ﷺ کی قدر صحابہ کرام کے ہاں تھی ان کی زندگی میں۔

پھر اس کے بعد امام ابو حنیفہؒ انکے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے پھر امام صاحب نے فرمایا کہ میں آپ سے صرف تین سوالات کرتا ہوں مجھے آپ جواب دیجئے

”الرجل اضعف ام المرأة“

مرد زیادہ ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقرؑ نے فرمایا کہ عورت ضعیف ہے پھر امام صاحب نے پوچھا

”کم سهم للمرأة“

عورت کے لئے مال کا کتنا حصہ ہے؟

تو محمد باقرؑ نے فرمایا

”للرجل سهمان وللمرأة سهم“

”مرد کے لئے دو حصے ہیں اور عورت کے لئے ایک حصہ ہے“

امام صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ کے دادا (محمد ﷺ) کا قول ہے اگر میں نے آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا تو میں قیاس کے ذریعے کہتا کہ عورت کو دو حصے مل جائیں اس لئے کہ وہ ضعیف (کمزور) ہے اور مرد کو ایک حصہ مل جائے

اس لئے کہ وہ بنسبت عورت کے قوی ہے۔

پھر دوسرا سوال کیا ”الصلوة الفضل ام الصوم“ نماز افضل ہے یا روزہ تو محمد باقرؑ نے فرمایا ”الصلوة الفضل“ نماز افضل ہے امام صاحب نے فرمایا یہ آپ کے دادا کا فرمان ہے ”ولو حولت دین جدک لکان القیاس ان المرءة اذا طهرت من الحيض امرتها ان تقضى الصلوة ولا تقضى الصوم“ اگر میں آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا تو قیاس یہ چاہتا ہے کہ عورت کو حیض سے پاک ہونے کی صورت میں اس کو یہ حکم دیتا کہ نماز کی قضاء کرے اور روزہ کی نہیں اس لئے کہ نماز افضل ہے۔

پھر تیسرا سوال کیا کہ بول زیادہ نجس ہے یا نطفہ تو محمد باقرؑ نے فرمایا کہ بول زیادہ نجس ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

”فلو كنت حولت دین جدک بالقیاس لكنت امرت ان

یغتسل من البول ویتوضأ من النطفة“

اگر میں نے آپ کے دادا کے دین کو بدلا ہوتا میں حکم دیتا کہ پیشاب (چونکہ زیادہ نجس ہے اس لئے اس) کے خروج (نکلنے) سے غسل کیا جائے اور نطفہ (چونکہ بول سے زیادہ نجس نہیں ہے اس لئے اس) کے خروج سے وضو کیا جائے۔

”ولكن معاذ الله ان احول دین جدک بالقیاس“

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کے دادا کے دین کو قیاس سے بدلوں۔

اس مکالمے کے بعد

”فقام محمد فعانقه وقبل وجهه واکرمه“

امام باقرؑ اٹھے اور امام ابوحنیفہؒ سے معانقہ کیا اور ان کا بوسہ لیا اور ان کی عزت کی۔

اس واقعہ کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف امام ابوحنیفہؒ کبھی اپنی رائے کو مقدم نہیں کرتے تھے ہاں بعض مسائل جو قرآن و حدیث میں صراحۃً نہ ہوتے تو اس میں اپنی رائے و اجتہاد سے کام لیتے تھے جو مامور من جانب الشرع ہے۔

امام صاحب پر مذکورہ الزام بے اصل ہے

مزید یہ کہ شیخ عبدالوہاب شعرائی نے اپنی کتاب ”المیزان الکبریٰ“ میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے (باوجودیکہ وہ شافعی المسلک ہیں) چنانچہ لکھتے ہیں۔

”فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام اباحنیفۃ الی اللہ

یقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ ﷺ“

یہ فصل ہے اس آدمی کے قول کے ضعف بیان کرنے میں جو امام ابوحنیفہؒ کی طرف نسبت کرتا ہے کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

اعلم ان هذا الكلام صادر من متعصب على الامام متهور في دينه
غير متورع في مقالہ غافلاً عن قوله تعالى ﴿ان السمع
والبصر والنفوس كل اولئك كان عنه مسؤولاً﴾ وعن قوله تعالى
﴿ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد﴾

یہ قول (کہ امام صاحب قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے تھے) اس شخص سے
صادر ہوا ہے جو امام صاحب سے تعصب کرنے والا ہے اور اپنے دین میں
بے باک ہے اور اپنی بات میں پرہیزگار نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے
(جس کا ترجمہ ہے) ”کان آ نکلہ دل ان سب کے متعلق قیامت والے دن
پوچھا جائے گا“ یعنی اگر اس کو صحیح استعمال نہیں کیا تو اس کے بارے میں پو
چھ ہوگی) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی غافل ہے (جس کا ترجمہ یہ
ہے) کہ انسان کسی بات پر تلفظ نہیں کرتا مگر اس کے ساتھ نگہبان حاضر
ہوتا ہے۔

مذموم اور مدوح رائے کا فرق

یہ بھی جاننا چاہئے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں ایک رائے وہ ہوتی ہے جو
مذموم ہے جس کے بارے میں بعض روایات آئی جس میں اس قسم کی رائے کی
مذمت وارد ہوئی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں بعض رائے مدوح بھی ہے جو ممنوع
نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ محمد زاہد الکوثری "فقہ اہل العراق و حدیثہم" میں فرماتے ہیں۔
 "وردت فی الراى آثار تلمذہ و آثار تلمذہ و الممدوح
 هو استنباط حکم النازلة من النص علی طريقة فقہاء
 الصحابة و التابعین و تابعیہم برد النظر الی نظیرہ فی
 الكتاب و السنة"

ترجمہ:..... رائے کے بارے میں بعض آثار ہیں جو اس کی مذمت کرتے
 ہیں اور بعض آثار وہ ہیں جو اس کی تعریف کرتے ہیں اور مذموم وہ رائے
 ہے جو خواہش نفسانی سے ہو اور ممدوح وہ حکم کا مستنبط کرنا ہے نص (قرآن
 و حدیث) سے فقہاء صحابہؓ تابعینؓ کے طریقے پر۔ چنانچہ خطیب بغدادیؒ نے
 اس قسم کے آثار ذکر کیے ہیں۔ (تفصیل کے ملاحظہ ہو الفقہ و الحنفیہ ص ۱۷۱ ج ۱)

علامہ ابن عبد البر مالکیؒ نے مستقل باب باندھا ہے

"باب اجتہاد الراى علی الاصول عند عدم النصوص"

یہ باب نصوص کی عدم موجودگی میں اصول کے مطابق رائے سے اجتہاد
 کرنے کے بارے میں ہے اور اس میں احادیث اور آثار لائے ہیں جن سے
 معلوم ہوتا ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں عمل رائی اور اجتہاد پر مجتہد کیلئے عمل کرنا
 جائز ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اس معنی کے لحاظ سے ممدوح رائے وہ ہے کہ جس میں
 مجتہد قرآن و حدیث سے فقہاء صحابہؓ تابعینؓ و تبع تابعین کے طریقے پر استنباط کرے

اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابو حنیفہؒ قرآن و حدیث سے صراحۃً مسئلہ نہ ملنے کے بعد اجتہاد کیا کرتے تھے جس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام صاحب کے اجتہاد کا ماخذ

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خود فرمایا ہے:

”اَنَا اخَذَ اَوَّلًا بِكِتَابِ اللّٰهِ ثُمَّ السُّنَّةِ ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ الصَّحَابَةِ

وَنَعْمَلُ بِمَا يَتَّفِقُونَ عَلَيْهِ فَاِنْ اَخْتَلَفُوا قَسْنَا حَكْمًا عَلٰی حَكَمِ

بِجَامِعِ الْعِلَّةِ بَيْنَ الْمَسْأَلَتَيْنِ حَتّٰی يَتَضَحَّ الْمَعْنٰی“

ترجمہ:..... ہم سب سے پہلے کتاب اللہ سے استدلال کرتے ہیں پھر سنت

سے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فیصلوں سے، اور جس پر وہ حضرات

متفق ہوتے ہیں اس پر ہم عمل کرتے ہیں لیکن اگر وہ آپس میں اختلاف

کریں تو اس صورت میں ہم خود ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں

اس علت جامعہ کی وجہ سے جو کہ دونوں مسئلوں میں ہے تاکہ معنی و مطلب

خوب واضح ہو جائے۔

بالکل صاف طور سے امام صاحب نے اپنے اجتہاد کے ماخذ اور مذہب

کی بنیاد بتلا دی اس کے باوجود یہ کہنا کہ امام صاحب قرآن و حدیث سے اپنے

قیاس کو مقدم کرتے ہیں سراسر بہتان ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے:

”انا اخذوا لکتاب اللہ ثم بسنة رسول اللہ ﷺ ثم باحاديث ابی بکر وعمر وعثمان وعلي رضي الله عنهم“
ہم پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت پر پھر اس کے بعد حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کی احادیث پر۔

تاریخ بغداد ص ۳۶۸ ج ۳ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔
أخذ بكتاب الله فان لم يجد فبسنة رسول الله ﷺ فان لم يجد في كتاب الله ولا سنة رسول الله ﷺ اخذت بقول الصحابة أخذ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم ولا اخرج من قولهم الى غيرهم فاما اذا انتهى الامر وجاء الى ابراهيم والشعبي وابن سيرين والحسن وعطاء وسعيد بن المسيب وعدد رجالات القوم اجتهدوا فاجتهد كما اجتهدوا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے دلیل پکڑتا ہوں اگر اس میں نہیں پاتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں سے بعض اقوال کو لیتا ہوں اور بعض اقوال کو چھوڑتا ہوں اور میں ان کے اقوال سے کسی اور کے اقوال کی طرف نہیں جاتا ہوں پھر اس کے بعد جب یہ کام بھی

مکمل ہو جائے اور بات ابراہیم، شععی، وغیرہ مجتہدین تک پہنچ جائے تو جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا اس طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اور یہ بھی مروی ہے.....

”ما جاء عن رسول الله ﷺ فعلي الرأس والعين بابي وامی

ولیس لنا مخالفتہ“

جو آپ ﷺ کی طرف سے آئے تو وہ سر و چشم قبول ہے میرے ماں باپ

اس پر قربان ہوں اور ہمیں ان کی مخالفت کا حق حاصل نہیں ہے۔

کیا امام صاحبؒ نے شرعی مسائل اپنی طرف سے بتائے ہیں؟

اس کے جواب میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ

فرماتے ہیں ”واضح ہو کہ ہم لوگ حضرت سراج الامۃ امام الائمۃ امام اعظم ابوحنیفہ

کو فی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے پیرو اور مقلد ہیں ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت

امام اعظم کتاب اللہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الفضل السلام

واذکی التوحید کے اعلیٰ درجے کے عالم اور علوم دینیہ کے اول درجہ کے ماہر

تھے۔ انہوں نے قرآن پاک اور احادیث سے جو احکام فقیہ نکال کر فقہ کو مدون کیا

ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن پاک اور احادیث کا عطر ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے لازوال خزانوں سے فقہ فی الدین کا

بیش قدر ذخیرہ انہیں عطا فرمایا تھا اور فقہ فی الدین میں ان کی رفعت شان نہ صرف

احناف بلکہ علماء مذاہب اربعہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اس لئے ان کے بتائے

ہوئے اور نکالے ہوئے احکام پر عمل کرنا بعینہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا ہے۔
معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

ہمارا یہ خیال و عقیدہ ہرگز نہیں کہ امام ابوحنیفہ کو منصب تشریع احکام کا حاصل ہے یعنی احکام شرعیہ محض اپنے قیاس و رائے سے وہ بنا سکتے ہیں یا بتاتے ہیں یا ان کے بہر صورت واجب التعمیل ہیں خواہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرام کے برابر نہیں سمجھتے پھر نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا تو کجا۔ وہ صرف ایک امتی تھے۔ بشر تھے لوازم بشریت خطا و نسیان سے بھی مبرا و منزہ نہ تھے۔ مگر ہاں عالم تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ فقیہ تھے اور کامل فقیہ تھے۔ مجتہد تھے اور مسلم مجتہد تھے۔ مبداء فیاض نے زیور علم و تفقہ تقویٰ و پرہیزگاری سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی انہیں شرف تابعیت سے بھی عطا فرمایا تھا (نیز امام صاحب نے چند صحابہ کرامؓ سے احادیث بھی سنی تھیں) اور خیر القرون میں ہونے کی بزرگی عطا فرمائی تھی۔ باوجود اس علم و اعتقاد کے وہ ایک انسان تھے اور ان سے غلطی اور خطا ممکن ہے۔

ہمارا یہ اعتقاد بھی ہے کہ ہر کس و نا کس کو یہ مرتبہ اور حق حاصل نہیں کہ ان کے اقوال میں سے کسی قول کو بے اصل یا بے دلیل بتائے یا ان کے کسی قول کو خلاف ہونے کا الزام لگا کر چھوڑ دے۔

ہمارے مبلغ علم ہی کیا ہیں کہ ہم احادیث کے نسخ و منسوخ، مقدم و مؤخر، مؤول و مفسر اور محکم کو معلوم کر سکیں اور حدیث کی چند کتابیں، چند رسالے پڑھکر

ایسے مسلم مجتہد کے اقوال کی تعلیط اور اس کے تخطیہ پر آمادہ ہو جائیں۔

بزرگان سلف میں سے جو لوگ کہ علوم دینیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور قدرت نے انہیں خزانہ علوم سے پورا حصہ عطا فرمایا تھا انہوں نے امام اعظم کے اقوال اور مسائل کو نظر تدقیق و تحقیق سے دیکھا اور جانچا۔ مخالفین کے اعتراضات کی جانچ پڑتال کی اور امام صاحب کے اقوال کے ماخذ کو نکال کر دکھائے اور ان کے اقوال کو مدلل کر دکھایا ہاں محدودے چند بعض مسائل ایسے بھی ملے کہ ان میں امام صاحب کے قول کے ماخذ پر انہیں بھی اطلاع نہ ملی اور امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کو انہوں نے اس مسئلے میں اپنے علم اور خیال کے موافق رائج بتایا تو متاخرین حنفیہ نے بلا تردد ایسے مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر ان علمائے اعلام کے قول کے موافق امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہما کے اقوال کو معمول بھا بنا لیا۔ فقہ حنفی میں بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ ان میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ صاحبین وغیرہما کے اقوال مفتی بہا ہیں اور یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ ہم خدا نخواستہ امام ابو حنیفہؒ کو بالذات واجب الطاعت نہیں سمجھتے بلکہ ان کا اتباع اور تقلید صرف اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراط مستقیم پر چلانے والے ہیں اور شاہراہ سنت پر ہمارے رہبر ہیں۔

اگر کسی موقع پر علماء قمحرین کا ملین کے ارشاد سے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور صاحبین وغیرہما کا قول بظاہر زیادہ ”اوفقیق

بالکتاب والسنة“ (قرآن و حدیث کے زیادہ موافق) ہوتا ہے تو ہم امام صاحب کے قول پر اصرار نہیں کرتے بلکہ صاحبین وغیرہما کے قول پر عمل کر لیتے ہیں کیونکہ مقصود اصلی اتباع خدا و رسول ہے۔ (کفایت المفتی جدید ص ۳۳۹ ج ۱)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے انتہائی وسعت ظرفی اور جامع مانع الفاظ سے امام صاحب کی عظمت اور ان کے مذہب کی تشریح بیان فرمائی ہے اس کے باوجود اگر مخالفین غور و تدبر نہیں کرتے تو کیا کیا جائے؟

آنکھیں اگر بند ہیں پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

امام صاحب کا خط قرآن و حدیث کو مقدم رکھنے کے بارے میں:

امام موفق بن احمدؒ نے ”مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ“ میں امام ابوحنیفہؒ کا خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابو عصمتہ نوح بن مریمؒ کو لکھا تھا (جب نوح بن مریم قاضی مقرر ہوئے تو انہوں نے امام صاحب کو خط لکھا امام صاحب نے ان کو خط کا جواب لکھ کر روانہ کیا) کہ آپ نے ایک بڑی ذمہ داری لی ہے جس سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں تو آپ اپنے لئے اس کا حل تلاش کیجئے اور اللہ سے ڈرنے کا خاص اہتمام کریں اس لئے کہ یہ تمام امور کی جڑ ہے اور قیامت میں خلاصی کا سبب ہے اور ہر مصیبت سے نجات (اور آگے لکھا ہے) کہ قہماء کے جتنے ابواب و مسائل ہیں یہ بہت مشکل ہیں جس کو ماہر عالم کے علاوہ کوئی حل نہیں کر سکتا

وہ عالم جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر مکمل علم و عبور رکھتا ہو۔

”فإذا اشكل عليك شيء من ذلك فارجل إلى الكتاب والسنة والاجماع فان وجدت ذلك ظاهراً فاعمل به وان لم تجده ظاهراً فرده الى النظائر واستشهد عليه الاصول ثم اعمل بما كان الى الوصول اقرب وبه أشبه وشاور اهل المعرفة والبصر فان فيهم ان شاء الله من يدرك ما لا تدركه الت۔

اگر آپ پر کوئی چیز مشکل ہو جائے تو اس کے بعد کتاب اللہ سنت اور اجماع کی طرف توجہ کریں اس کے بعد اگر آپ نے اس کو پایا تو اس پر عمل کریں اگر آپ نے نہیں پایا تو اس چیز کو اس کے دوسرے نظائر کی طرف لوٹا دیں اور باقی اصولوں سے اس چیز پر استشہاد کریں اس کے بعد عمل کریں اس پر جو اصول کی طرف اقرب و اشبه ہو۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جس طرح دوسروں کو حکم دے رہے ہیں کہ مسائل کو پہلے قرآن و حدیث میں تلاش کریں خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں یہ ان کو زیب نہیں دیتا کہ دوسروں کو تو قرآن و حدیث سے مسئلہ لینے کو کہیں اور خود قرآن و حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے کو مقدم کریں۔

امام صاحب کے مسائل حقیقت میں

احادیث سے مستنبط ہوتے ہیں

خطیب بغدادی شافعیؒ (متوفی ۴۶۲) نے اپنی کتاب میں علی بن خشرم سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”يقول كنفاني مجلس سفیان بن عیینة فقال يا اصحاب

الحديث تعلموا فقه الحديث لا يقهركم اهل الرأي ما قال

ابو حنيفة شيئا الا ونحن نروى فيه حديثا او حديثين“

ہم سفیان بن عیینہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے حدیث والو! حدیث کی فقاہت کو سیکھو اہل رائے تم پر غالب نہ ہوں امام ابو حنیفہؒ نے کوئی قول نہیں کہا ہے مگر اس میں ہم ایک یا دو حدیث روایت کرتے ہیں۔

امام صاحب قیاس پر حدیث ضعیف کو مقدم کرتے تھے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے

”ان ضعيف الحديث عنده (ابی حنیفہ) اولیٰ من القیاس“

جس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے اولیٰ ہوتی تھی یعنی اگر ضعیف حدیث مل جاتی تو قیاس نہ کرتے اس کی بکثرت مثالیں فقہ حنفی میں موجود ہیں جیسے نماز کے اندر قہقہہ سے وضو کا لازم آنا اور حدیث

وضو بنیذ التمر وغیرہ کی احادیث کو باوجود ضعیف ہونے کے امام صاحب نے قیاس پر مقدم کیا ہے۔

امام صاحب پر مذکورہ الزام حسد کی بناء پر تھا۔

قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم کرنے کے الزام کی وجہ یہی حسد تھی الزام لگانے والے یہ گوارہ نہیں کر سکتے تھے کہ امام صاحب کو اتنی بڑی فقاہت کیوں دی گئی ہے اور ان کا مرتبہ بلند کیوں ہے؟

امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ کا اعتراف

چنانچہ ابن عبد البر فرماتے ہیں:

”کان ابو حنیفۃ یحسد وینسب الیہ مالیس فیہ ویختلق

علیہ مالا یلیق بہ“

امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حسد کیا جاتا تھا اور ان کی طرف وہ باتیں منسوب کی جاتی تھیں جو ان میں نہیں تھیں اور ان پر ایسا جھوٹ و افتراء بولا جاتا تھا جو آپ کی شان کے لائق نہیں تھا۔ امام ابو حنیفہؒ سے منقول بھی ہے۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمہم

قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا

ترجمہ:..... اگر یہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں تو میں ان کو ملامت

کرنے والا نہیں ہوں مجھ سے پہلے جو صاحب فضیلت لوگ تھے ان

سے بھی حسد کیا گیا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کا اعتراف:

حضرت امام اعظمؒ سے تنحی بن آدمؑ نے پوچھا

”ما تقولون فی هؤلاء الذین یقعون فی ابی حنیفۃ“

آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو امام صاحب کے بارے میں گستاخی کرتے ہیں آپ نے فرمایا

”انہ جاء هم بما یعقلونه وما لا یعقلون فحسدوا“

امام صاحب ان کے سامنے وہ علم لے آئے جن کو یہ لوگ جانتے ہیں اور وہ علم بھی جن کو یہ لوگ نہیں جانتے تو ان لوگوں نے ان کے ساتھ حسد کیا۔
غور کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے ہمیں وہ مسائل سکھائے جن کا حل ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اور ہم ان کے خلاف پروپیگنڈے کریں یہ بے وفائی اور احسان فراموشی نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا امام صاحب پر جرح مقبول ہے؟

بعض لوگوں نے جواب پر جرح کی ہے وہ یا تو تعصب کی وجہ سے ہے یا احوال امام کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر۔ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ جرح مقبول ہے یا نہیں۔

عیسیٰ بن یونس فرماتے ہیں:

”لا تصدقن احدا یسعی القول فیہ فانی واللہ ما رأیت الفضل
منہ ولا افقہ“

ہرگز اس شخص کی تصدیق نہ کرو جو وہ امام صاحب کے بارے میں بری
بات کہتا ہو بے شک بخدا میں نے ان سے بہتر اور افقہ نہیں دیکھا۔

طبقات التاج السبکی میں لکھا ہے کہ یہ قاعدہ

”الجرح مقدم علی التعدیل“

(جرح مقدم ہے تعدیل پر یعنی اگر کسی پر جرح بھی ہوئی ہو اور اس کی
عدالت بھی بیان کی گئی ہو تو جرح مقدم ہوگی) مطلق نہیں ہے۔

”بل الصواب ان من ثبتت عدالتہ وامامتہ وکثر مادحوہ

ومذکوہ وندر جارحہ وکانت ہناک قرینۃ دالۃ علی سبب

جرحہ من تعصب مذہبی او غیرہ لم یلتفت الی جرحہ“

بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس کی عدالت اور امامت ثابت ہو جائے اور ان کی

تعریف و تزکیہ کرنے والے زیادہ ہوں اور اس پر جرح کرنے والے

کم ہوں اور وہاں قرائن کی وجہ سے جرح کرنے کا سبب معلوم ہو جیسے

تعصب مذہبی یا کوئی اور وجہ ہو تو اس جرح کی طرف کوئی التفات نہیں

کیا جاوے گا یعنی وہ جرح قابل قبول نہیں ہوگی۔

”یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کے بارے میں سچ اور صحیح بیان کرنے والے تھے فرمایا ہاں وہ صدوق تھے پھر پوچھا گیا کہ امام شافعیؒ حدیث میں سچے نہ تھے؟ تو فرمایا مجھے ان کی حدیث پسند نہیں، اور نہ میں ان کا ذکر پسند کرتا ہوں۔ تو یہاں یحییٰ بن معین نے امام شافعیؒ پر جرح کی ہے لیکن یہ جرح مقبول نہیں ہے۔

چنانچہ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں:

”لم يتابع يحيى بن معين احد في قوله في الشافعي“
 ”امام شافعیؒ کی حدیث کو ساقط کہنے کے بارے میں کسی نے یحییٰ بن معین کی موافقت نہیں کی“ اس جرح کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا یعنی یہ جرح مقبول نہیں ہے اور اگر ہم اس کو مطلق قرار دیکر کہیں کہ جرح مقدم ہے تعدیل پر توائمہ میں سے کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا اس لئے کہ کوئی امام بھی نہیں ہے مگر اس کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعن کیا ہے اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہ امام بخاریؒ پر بھی باوجود جلالت شان کے بعض حضرات نے جرح کی ہے۔ چنانچہ کتاب الجرح والتعديل میں ہے۔

محمد ابن اسماعيل البخاري ابو عبد الله قدم عليهم الرى
 سنة مائتين وخمسين روى عن عبدان المروزي وابي همام
 الصلت بن محمد والفريابي وابن ابى اويس سمع منه ابى

وابوزرعة ثم تركا حديثه عندما كتب اليهما محمد بن يحيى

النيسابوري انه اظهر عندهم ان لفظه بالقرآن مخلوق.

(كتاب الجرح والتعديل من المجلد الثالث ص ۹۱ وفتح القدير ص ۳۱۹ ج ۳ بر حاشیہ)

امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی امام صاحب سے معذرت

شعرانیؒ نے ابو مطیع سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن امام ابو حنیفہؒ کے ہاں

تھا کوفہ میں تھا تو ثوریؒ مقاتلؒ بن حیان، حماد بن سلمہؒ، جعفر الصادقؒ، وغیرہ فقہاء

اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے آپس بات چیت کی اور پھر کہنے لگے:

”بلغنا انک تکثر من القیاس فی الدین والمانعنا عنک

منه فانه اول من قاس ابليس“

”ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں قیاس سے زیادہ کام

لے رہے ہیں جس کی وجہ سے ہم آپ پر ڈرتے ہیں اس لئے کہ سب سے

پہلا قیاس ابلیس ہی نے کیا تھا۔“

امام ابو حنیفہؒ نے جمعہ کی صبح سے لیکر زوال تک ان کے ساتھ علمی بات

چیت کی اور اپنے مذہب کو ان کے اوپر پیش کیا اور اس کی حقیقت بتلائی۔

فقا مواكلهم وقبلوايديه ور كبتيه وقالوا انت سيد العلماء فاعف

عنا فيما مضى من وقبعتنا فيك بغير علم فقال غفر الله لنا ولكم

اجمعين.

پس وہ تمام کے تمام فقہاء کرام اٹھے اور آپ کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور فرمانے لگے کہ آپ تمام علماء کے سردار ہیں ہم بغیر علم کے آپ کے بارے جو غلطی میں پڑ گئے تھے وہ ہمیں معاف کر دیجئے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اللہ ہمیں اور تم سب کو معاف کر دے۔

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ ثوریؒ اور دیگر حضرات نے امام صاحب پر جو جرح کی تھی وہ امام صاحب کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے کی تھی کہ ان کا مسلک قرآن و حدیث کے خلاف ہے یا عین مطابق جب ان کو حقیقت معلوم ہو گئی تو اقرار کیا کہ یہ تو واقعی صحیح ہے۔ آج بھی اکثر لوگ امام صاحب کے مذہب کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر اعتراضات طعن و تشنیع وغیرہ کرتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو سمجھ نصیب فرمائے آمین۔

امام صاحبؒ کا اپنے مذہب میں غایۃ احتیاط

امام صاحب ہر مسئلے کو نہایت ہی جستجو اور تلاش کے بعد لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے، باوجودیکہ امام صاحب اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ تھے لیکن پھر بھی ان پر تقویٰ اور اللہ کے خوف کا اتنا اثر تھا کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی قول کرتے تو اس کو مستقل علماء کی مجلس میں پیش کرتے تھے۔ تاکہ اس پر اگر کسی کا اعتراض ہو وہ بتا دے جب تمام علماء اس پر متفق ہوتے تب وہ رائے اور اجتہاد باقاعدہ طور پر مکمل ہو جاتا۔

چنانچہ امام ابو جعفر شیرازیؒ نے شقیق بلخیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے

كان الامام ابو حنیفۃ من اورع الناس واعبد الناس واکرم الناس
واکثرهم احتیاطاً فی الدین وابعدهم عن القول بالرأی فی
دین اللہ عزوجل وکان لایضع مسألة فی العلم حتی یجمع
اصحابه علیها ویعقد علیها مجلساً فاذا اتفق اصحابه کلهم علی
موافقتها للشریعة قال لابی یوسف او غیره ضعها فی الباب
الفلانی.

مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ تمام لوگوں میں زیادہ پرہیزگار تھے اور زیادہ
عبادت کرنے والے تھے اور سب میں عزت مند تھے اور دین کے معاملے
میں بہت زیادہ احتیاط کرنے والے تھے اور ان کی احتیاط اتنی زیادہ تھی کہ وہ
کوئی علمی مسئلہ وضع نہ کرتے یہاں تک اس پر تمام اصحاب کو جمع کر لیتے اور
اس پر ایک مستقل مجلس منعقد کرتے تھے جب تمام اصحاب کسی مسئلہ پر متفق
ہو جاتے کہ یہ مسئلہ شریعت کے موافق ہے تو اس کے بعد امام ابو یوسفؒ
یا کسی اور شاگرد سے کہتے کہ اس کو فلاں باب میں لکھ دو۔

یہ ہے امام صاحب کی احتیاط دین کے معاملے میں کہ نص کے مقابلہ میں
رائے سے دور رہتے تھے اور علماء کی مجلس کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کا کتنا زیادہ
اہتمام کرتے تھے۔ (کذا فی المیزان للشعرانی)

ونقل ط عن مسند الخوارزمی ان الامام اجتمع معه الف من اصحابه اجلهم وفضلهم اربعون قد بلغوا حدا لاجتهاد فقربهم وادناهم وقال لهم الى الجمعت هذا الفقه واسرجته لكم فاعينوني فان الناس قد جعلوني جسراً على النار فان المنتهى لغيري واللعب على ظهري فكان اذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم لیسمع ما عندهم من الاخبار والآثار ويقول ما عنده ویناظرهم شهراً او اكثر حتى يستقل آخر الاقوال فیبحثه ابو یوسف حتی الثبت الاصول على هذا المنهاج شوری لانه تفرد بهذا الک کثیره من الائمة.

طحاوی نے مسند الخوارزمی سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ان کے ایک ہزار شاگرد جمع ہو گئے تھے ان میں جلیل القدر اور افضل چالیس حضرات خصوصیت کے ساتھ تھے جو سب اجتہاد کی ہدایت پہنچ گئے تھے آپ نے ان کو اپنے قریب کیا اور ان سے فرمایا کہ میں نے اس فقہ کو کام لگائی ہے اور تمہارے لئے اس پر زین کو کس دیا ہے۔ آپ لوگ میری مدد کرو اس لئے کہ لوگوں نے مجھے آگ پر پل بنا دیا ہے یعنی میرے اوپر سے ہوتے ہوئے جائیں گے تو منتہی کسی اور کا ہوگا اور کھیل کود میری پیٹھ پر ہوگی تو جب اس طرح کا کوئی خاص واقعہ پیش آتا امام صاحب ان سے مشورہ کرتے اور ان سے مناظرہ کرتے اور ان کو اپنے پڑوس میں کرتے یعنی قریب

کرتے ان شاگردوں کے پاس جو اخبار یا آثار ہوتے ان کو سنتے اور جو آپ کے پاس ہوتے تھے ان کو بتا دیتے اور مہینہ اور کبھی اس سے زیادہ مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ آخری قول ثابت ہو جاتا پھر اس کو امام ابو یوسفؒ ثبت کر دیتے یہاں تک کہ آپ نے اسی شورعی کے ذریعے اصول وضع کر دیئے اور یہ نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مذہب میں تفرد کیا ہے جس طرح کہ باقی ائمہ نے کیا ہے۔

یہ عبارت بھی مفہوم کے اعتبار سے ماقبل کی طرح ہے مگر اس میں کچھ تشریح زیادہ ہے جس سے امام ابو حنیفہؒ کا ورع و تقویٰ اور احتیاط فی الدین صاف لفظوں میں معلوم ہوتا ہے۔

(ہكذا لی مناقب ابی حنیفۃ للکردی ص ۵۷ و تبیض الصحیفۃ ص ۸۱)

امام صاحب کا صحابی کے اثر کی وجہ سے اپنی رائے کو چھوڑ دینا

زہیر بن معاویہ سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے غلام کے امان کے متعلق پوچھا کہ غلام اگر دشمن کو امان دے تو کیا یہ صحیح ہے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر غلام خود قتال نہیں کرتا تو اس کا امن دینا باطل ہے تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو عام اصول نے بیان کیا ہے اور ان کو فضیل بین یزید الرقاشی نے کہ ہم دشمن کا محاصرہ کر رہے تھے اس دوران ہم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو خط لکھا کہ ہمارے ایک غلام نے دشمن کو امن دیا ہے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے لکھ کر بھیجا کہ غلام کے امان کو بجالاؤ۔ یہ سن کر امام صاحب چپ

ہو گئے پھر میں کوفہ سے دس سال غائب رہا دس سال کے بعد آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حاضر ہوا تو میں نے ان سے غلام کے امان کے بارے میں پوچھا تو امام صاحبؒ نے عاصم کی حدیث کا حوالہ دیا اور اپنے قول سے رجوع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ جو حدیث وغیرہ سنتے ہیں اس کی تابعداری کرنے والے ہیں۔

نیز امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے پوچھا ”اتخالف النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا ”لعن اللہ من يخالف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ اکر منا اللہ“

اللہ کی لعنت ہو ایسے آدمی پر جو اللہ کے رسول کی مخالفت کرے انہی کے ذریعہ سے تو اللہ نے ہمیں عزت دی ہے۔

یہ تھا امام ابوحنیفہؒ کا اخلاص اور تقویٰ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تعصب والوں میں سے نہیں تھے آپ کے اخلاص و ورع نے آپ کو حق پر مجبور کیا تھا۔

امام صاحبؒ کا مسائل میں بہت غور کرنا
شیخ ابوزہرہؒ فرماتے ہیں:

وكان عميق الفكرة بعيدا الغور في المسائل لا يكفى بالبحث في ظواهر الامور والنصوص ولا يقف عند ظاهر العبارة بل يسير وراء

مرامیہا البعیدۃ والقریۃ.

امام ابوحنیفہ ایک عمیق فکر والے انسان تھے اور مسائل کے اندر بہت دور تک غور کرنے والے تھے اور ظاہری اوامر اور نصوص پر اکتفاء نہیں کرتے تھے اور ظاہری عبارت پر توقف نہیں کرتے تھے بلکہ اس عبارت کے دور اور قریب مقاصد تک جاتے تھے۔

امام صاحب اپنی خواہش سے مسائل نہیں بتاتے تھے
تاریخ بغداد میں ہے:

وكان ابو حنيفة مخلصاً في طلب الحق وتلك صفة الكمال
التي رفعتها ونورت واضاءت بصيرته بالمعرفة فان القلب
المخلص الذي يخلو من الغرض ودرن النفس والهوى في بحث
الامور وفهم المسائل يقذف الله فيه بنور المعرفة فتدكو
مداركه ويستقيم فكره۔

مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ حق کو طلب کرنے میں نہایت مخلص تھے اور یہی ان کے کمال کی صفت تھی جس نے ان کو اونچا کر دیا یعنی ان کا مرتبہ بلند کر دیا اور اسی صفت اخلاص نے ان کے دل کو منور کر دیا اور ان کی بصیرت کو معرفت کے ساتھ روشن کر دیا اس لئے کہ وہ دل جو مخلص ہوتا ہے وہ غرض اور نفس کے میل و کجیل سے خالی ہوتا ہے اور باقی امور و مسائل کو سمجھنے میں خواہش سے خالی ہوتا ہے اللہ رب العزت اس دل میں معرفت کا نور ڈال

دیتے ہیں تو اس کے فہم و ادراک کے آلات تیز ہو جاتے ہیں اور اس کی فکر مستقیم ہو جاتی ہے۔
چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

ولقد خالص ابو حنیفۃ نفسه من كل شهوة الا الرغبة في
الادراك الصحيح وعلم ان هذا الفقه دين۔

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے نفس کو ہر خواہش سے خالی اور جدا کر دیا۔ مگر ان کی
رغبت ادراک صحیح کی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ فقہ دین ہے۔ (اور دین میں
سوچ سمجھ کربات کرنی چاہئے) (تاریخ بغداد ص ۳۵۲)

امام صاحب حدیث کی زیادہ پیروی کرنے والے تھے
مناقب ابی حنیفہؒ للموفق المکی میں ہے۔

كان ابو حنیفۃ شلید الفحص عن الناسخ من الحديث والمنسوخ
فیعمل بالحديث اذ ثبت عنده عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وكان عارفاً بحديث اهل الكوفة شلید الاتباع لما كان ببلده۔
حضرت امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ناسخ و منسوخ کی جستجو کرنے والے تھے
جب حدیث ان کے سامنے ثابت ہو جاتی اس پر عمل کرتے تھے اور امام
ابو حنیفہؒ اہل کوفہ کی احادیث کو زیادہ جاننے والے تھے اور اس کی زیادہ
تابع داری کرنے والے تھے۔ (ص ۸۲ ج ۱)

امام صاحبؒ کا روایت حدیث میں احتیاط

امام صاحبؒ روایت حدیث میں بہت محتاط واقع ہوئے تھے جس کا اعتراف بڑے بڑے محدثین نے کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں

”کان ابو حنیفۃ ثقۃ لایحدث الا ما یحفظ ولا یحدث بما لایحفظ“

امام صاحب ثقہ ہیں جو حدیث ان کو یاد ہوتی تھی وہی بیان کرتے تھے اور جو یاد نہیں ہوتی تھی اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

امام صاحب کی اس احتیاط کا اندازہ امام وکیع کی اس شہادت سے ہوتا ہے جو انہوں نے دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں جیسی احتیاط امام صاحب سے حدیث میں پائی گئی کسی اور سے نہیں پائی گئی۔ (مناقب الامام للموفق ص ۱۹۷ ج ۲)

بہر حال امام صاحب کی اس احتیاط سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا مذہب بہت محتاط اور قرآن و حدیث سے زیادہ موافق ہے۔

امام صاحب پر قلت حدیث کا الزام:

اسی احتیاط کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ سے احادیث میں روایات زیادہ منقول نہیں ہیں، اس لئے کہ امام صاحب کے شرائط بہت سخت تھے اس پر بعض جاہلوں کو موقع ملا کہ حدیث سے امام صاحب کا تعلق کم تھا ورنہ تو عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جو شخص حدیث کو نہیں جانتا ہے لیکن تھوڑی مقدار میں وہ کیسے مجتہد ہو سکتا ہے۔

حالانکہ مجتہد کے لئے شرائط (جن کا مختصر تذکرہ ہو گیا ہے) ہیں جس میں سب سے اہم شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لئے احادیث پر مکمل عبور ہونا ضروری ہے اگر امام صاحب کو احادیث سے کم تعلق ہوتا تو وہ کیسے بالاتفاق مجتہد ہوتے۔

عقد الجید میں استاذ الکل شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مجتہد وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن و حدیث، آثار، تاریخ، لغت و قیاس ان پانچ چیزوں پر کافی عبور رکھتا ہو۔

امام صاحب کا علم حدیث سے تعلق

ذیل میں مختصر طور سے ذکر کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو علم حدیث میں کتنی مہارت تامہ حاصل تھی جس کی وجہ سے وہ اجتہاد کیا کرتے تھے تاکہ طعن و تشنیع کرنے والوں کی افواہیں ختم ہو جائیں۔

مسعر بن کدّام کی نظر میں:

وہ فرماتے ہیں:

”طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنَا وَاخْلَدْنَا فِی الزَّهْدِ فَبَرَعَ عَلَيْنَا

وطلَبْنَا مَعَهُ الْفَقْهَ فَبَجَاءَ مِنْهُ مَا نَوْنُ“ (منافق ابی حنیفہ ص ۲۷)

میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ علم حدیث حاصل کیا تو وہ ہم پر غالب آ گئے زہد میں بھی وہ ہم پر فائق ہو گئے فقہ ان کے ساتھ شروع کی تو تم دیکھتے ہو کہ کیا کمال ان سے ظاہر ہوا۔

یحییٰ بن سعید قطانؒ کی نظر میں:

(جو جرح و تعدیل کے امام ہیں اور بڑے محدث ہیں فن رجال کے ماہرین میں سے ہیں یہ باوجود فضل و کمال کے امام صاحب کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے تھے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے آپ نے اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کی ہے) وہ فرماتے ہیں:

(۱) واللہ لأعلم هذه الامة بما جاء عن الله ورسوله.

خدا کی قسم امام ابو حنیفہؒ اس امت میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اس کو جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔

(۲)..... نیز فرماتے ہیں:

”جالسنا والله ابا حنیفہ وسمعنا منه وکنت والله اذا نظرت اليه

عرفت في وجهه انه يتقى الله عز وجل“

ترجمہ:..... واللہ ہم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مجالس میں بیٹھے ہیں اور ان سے

استفادہ کیا اور اللہ جب بھی میں ان کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا تھا

تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ عز وجل کے خوف و خشیت سے پوری طرح

(رجحہ ص ۱۲۴)

متصف ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث عبد اللہ بن مبارکؒ کی نظر میں
 (آپ بڑے ائمہ میں سے ہیں اور فقہ حدیث کے رکن اعظم ہیں اور
 امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین عظام کے استاذ ہیں، امام بخاریؒ نے سب سے پہلے
 عبد اللہ بن مبارکؒ کی کتابیں یاد کی تھیں مسلم طور پر آپ امیر المؤمنین فی الحدیث
 ہیں یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے بے شمار احادیث ہیں آپ
 امام ابو حنیفہؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں جب آپ امام صاحب کی خدمت
 میں حاضر ہوئے تو آپ کے علم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اخیر عمر تک آپ سے
 جدا نہ ہوئے آپ نے امام صاحب کی بڑی وقیع الفاظ میں مدح و توثیق فرمائی ہے
 چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”اختلفت الی البلاد فلم اعلم باصول الحلال والحرام حتی لقیته“

میں تمام شہروں میں علم کی طلب کیلئے گیا ہوں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی
 ملاقات سے قبل تک حلال و حرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا۔

(۲)..... نیز فرماتے ہیں:

”غلب علی الناس بالحفظ والفقہ والعلم والصیانة والدیانة وشدة

الورع“

آپ نے اپنے حفظ، فقہ، علم، احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی

وجہ سے سب پر غلبہ پایا۔ (جامع بیان العلم وفضله)

امام اعظم کوئی کی نظر میں:

(آپ کوفہ کے جلیل القدر محدث و فقیہ بھی تھے باوجودیکہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے مگر امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے آپ نے ایک مرتبہ امام صاحب سے چند مسائل میں گفتگو کی آپ نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ آپ نے کس دلیل سے دیا ہے امام صاحب نے فرمایا قلاں احادیث سے جو آپ ہی سے سنی ہیں۔ امام اعظم اس پر اور متحیر ہوئے اور فرمایا بس کافی ہے آپ نے تو حد کردی میں نے جو احادیث سو دن میں تم سے بیان کی وہ آپ نے ایک ہی ساعت میں سنا دیں مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں اور فرمایا (ان کا یہ جملہ بہت ہی مشہور اور حقیقت پر مبنی ہے)

”یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة“

”اے فقہاء کی جماعت آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم صرف عطار

(دوا فروش) ہیں“

امام مالک رحمہ اللہ کی نظر میں:

ایک مرتبہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے چند محدثین کا حال دریافت فرمایا آپ نے بیان فرمایا پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا ”سبحان اللہ لم ادر مثله“ سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے قسم بخدا میں نے

ان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹)

امام شافعی رحمہ اللہ کی نظر میں:

آپ فرماتے ہیں:

”الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة ما رأیت ای علمت

احداً أفقه منه“

ترجمہ:..... لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں میں نے ان سے بڑا
فقیہ نہیں دیکھا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی نظر میں:

وہ فرماتے ہیں:

”أنه من اهل الورع والزهد وايتار الآخرة بمحل لا يدركه احد“

امام ابوحنیفہؒ علم و تقویٰ زہد و اختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو
نہیں پہنچ سکا۔

ابوالمحسن شافعیؒ کی نظر میں:

انہوں نے اپنی کتاب عقود الجمان“ میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے جس

میں انہوں نے امام صاحب کے حدیث سے خصوصی تعلق، کثرت روایت اور ان کا

حفاظ حدیث میں ہونے کو ذکر کیا ہے۔

جب بھی کوفہ میں کوئی محدث تشریف لاتے آپ ان سے استفادہ کرتے تھے، امام صاحب کے شاگرد محدث عبدالعزیز سے نقل کیا گیا ہے۔

ذكر علم ابی حنیفۃ بالحديث فقال قدم الكوفة محدث فقال
ابو حنیفۃ لاصحابه انظروا هل عنده شی فی الحديث ليس
عندنا قال و قدم علينا محدث فقال لاصحابه مثل ذالك.

(المنائب للذهبی ص ۸۳ ج ۱)

انہوں نے امام صاحب کے علم حدیث کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایک بار کوفہ میں ایک محدث تشریف لے آئے تو امام صاحب نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا دیکھو ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو ہمارے پاس نہ ہو، عبدالعزیز کا بیان ہے کہ دوسری مرتبہ ایک اور محدث آئے جب بھی آپ نے یہی فرمایا (اس سے امام صاحب کے حدیث کے ساتھ تعلق و محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے)

منائب ابی حنیفۃ للموفق میں ہے کہ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی حدیثیں تھیں اور دو ہزار دیگر مشائخ کی تھیں۔

فقہاء کی اختیار کردہ احادیث دیگر احادیث

سے رائج ہوتی ہیں

اس سے پہلے امام صاحب کا حدیث کے ساتھ تعلق بیان ہوا کہ حدیث کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کی کتنی زیادہ محبت تھی اسی وجہ سے علماء کرام اس حدیث کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں جس کو فقہاء نے ترجیح دی ہو۔ چنانچہ امام ابن ابی حاتم رازیؒ اپنی کتاب ”الجرح والتعديل“ (ص ۲۵-۲۷) میں فرماتے ہیں۔

كان حديث الفقهاء احب اليهم من حديث المشيخة

شیوخ کی حدیث سے فقہاء کی اختیار کردہ حدیث ان علماء کرام کو بہت محبوب تھی۔ نیز حدیث نقاہت کو افضل سمجھ کر اسی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ امام احمد حنبلؒ نے فرمایا

”معرفة الحديث والفقہ احب الی من حفظه“

حدیث کی معرفت اور اس کے اندر نقاہت میرے نزدیک اس کے یاد کرنے سے بہتر ہے۔

(منهاج السنة النبویة ص ۱۱۵ ج ۳)

امام علی ابن المدینی (جو امام بخاری کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں

”اشرف العلم الفقہ فی متون الاحادیث ومعرفة احوال الرواة“

سب سے اشرف علم متون حدیث کے اندر فقاہت ہے اور راویوں کے حالات کا جاننا ہے۔

(حاشیۃ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعذیل ص ۷۰)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شرافت والا علم ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمۃ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل تھا۔

خلاصہ

دوسری فصل کا خلاصہ یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن و حدیث کی مخالفت نہیں کی ہے اور اپنی رائے اور اجتہاد کو قرآن و حدیث کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی۔

آخری عرض

اس رسالہ کو پڑھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک صحیح ہے اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات بے جا ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لہذا اس رسالہ کو بلا تعصب انصاف کی نظر سے دیکھیں اور اس پر عمل کریں۔

دعا ہے اللہ ہم سب کو شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اولیاء اللہ کی گستاخی سے باز رکھیں۔ آمین۔

کتبہ

علی الرحمن فاروقی

فاضل: جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵

مدرس: مدرسہ ارشاد العلوم یوسفیہ کھتری مسجد جوٹا مارکیٹ کراچی۔

و

مدرسہ اویس قرنی غوثیہ کالونی کراچی۔